قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

اشاعت کا پچھترواں سال

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

دسمبر 2018ء

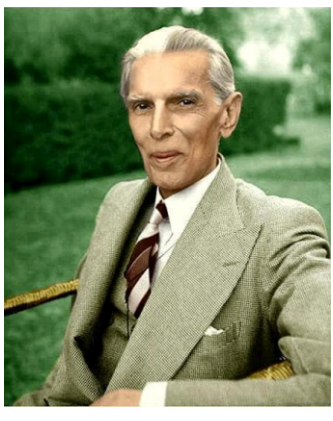
علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ

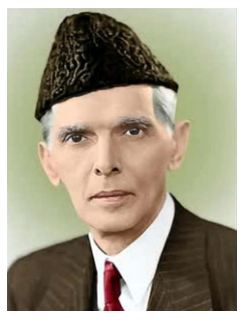
''لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ'' (الحدیث) حضرت محمد ﷺ کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے





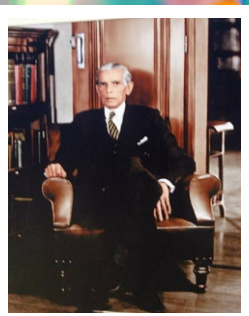


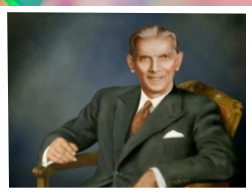












QUR'AN IN ITS OWN LIGHT

1. It is a code of life, and removes all doubts of all kinds (2:2).
2. Everything which was revealed to *Rasool-Allah* (peace be upon him) is in the *Qur'an* (6:19).
3. Muslims are ordered to obey this book and not to obey anything else (7:3).
4. *Rasool-Allah* (peace be upon him) was also ordered to follow this Book (10:109).
5. *Rasool-Allah* (peace be upon him) used to take decisions according to the *Qur'an* (5:48).
6. Those who do not decide their affairs according to the *Qur'an*, are the ones who are *K'afireen* (5:44).
7. The *Qur'an* contains the complete and final revelation and no one is authorised to make any change in it (6:34, 6:116).
8. The *Qur'an* confirms and preserves the earlier revelations (5:48).
9. There is nothing contradictory in it (4:82).
10. All the differences can be resolved only by following the guidance contained in this Book (42:10).
11. What-ever is revealed in it, has also been explained in it (75:19)-- that is why it is called as an exposition of everything.
12. This has been done in varied ways, generally by repeating the verses *(Tasreef-al-Ay'at)* (60:106, 17:41).
13. *Rasool-Allah* (peace be upon him) used to explain/clear every disputed/doubtful thing with the help of The *Qur'an* (16:64).
14. The *Qur'an itself is light (5:15) and has been revealed so that*

بقیہ صفحہ نمبر 58 پر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

دسمبر 2018ء

جلد 71 | شمارہ نمبر 12

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
روئیداد کونشن 2018ء	ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد	4
قرآن اور ہمارا سفر	خورشید انور، سوات	8
قرآنی معاشی اصول اور آج کا انسان	ڈاکٹر عبدالرزاق، لاہور	12
ظاہر و باطن	خالد بشیر فاروقی، لاہور	22
ادارہ طلوعِ اسلام کنونشن تصویری جھلکیاں	ادارہ	26
ریاستِ مدینہ مقاصدِ عالی حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے	خواجہ ازہر عباس، کراچی	34
بچوں کا صفحہ: وعدہ پورا کرو	ادارہ	41
دو قومی قرآنی نظریہ پر مطالبہ پاکستان	ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد	43

ناشر و چیئرمین: محمد اکرم راٹھور

مجلسِ ادارت

ڈاکٹر انعام الحق، ڈاکٹر منظور الحق

خواجہ ازہر عباس

مدیر انتظامی: محمد سلیم اختر

قانونی مشیر: ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

ادارہ کا مضمون نگار کی تحریر سے کلی اتفاق ضروری نہیں۔

زرِ تعاون: 50 روپے فی پرچہ
پاکستان: 550 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک: 800 روپے سالانہ
بیرونِ ملک: 2500 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک: 5000 روپے سالانہ

ادارہ طلوعِ اسلام B-25 گلبرگ 2، لاہور 54660، (پاکستان)
Phone: 042-35714546
Cell: 0321-4460787
idarati@gmail.com
www.facebook.com/Talueislam

Bank Account Idara Tolu-e-Islam
National Bank of Pakistan, Main Market Branch Gulbarg Lahore
For Domestic Transactions
Bank A/C No: 0465004073177672
For International Transactions
IBAN:PK36NBPA0465004073177672
Swift Code: NBPAPKKAA02L

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

طلوعِ اسلام

ابھی تک آدمی صید زبونِ شہریاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے
نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے
وہ حکمت ناز تھا جس پر خردمندانِ مغرب کو
ہوس کے پنجۂ خونیں میں تیغ کارزاری ہے
تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے
عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی، جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے
خروش آموزِ بلبل ہو، گرہ غنچے کی وا کردے
کہ تو اس گلستاں کے واسطے بادِ بہاری ہے
پھر اٹھی ایشیا کے دل سے چنگاری محبت کی
زمیں جولاں گہِ اطلس قبایانِ تتاری ہے
بیا پیدا خریدارست جانِ ناتوانے را
''پس از مدت گذار افتاد بر ما کاروانے را''

(بانگِ درا۔ علامہ اقبالؒ)

(جاری ہے)

ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سالانہ کنونشن طلوعِ اسلام

منعقدہ لاہور 2018ء کی روئیداد

28 اکتوبر 2018ء کے سالانہ کنونشن لاہور میں منعقدہ کے اجلاس کا آغاز ادارہ کے چیئرمین محترم محمد اکرم راٹھور کی تلاوتِ قرآن اور اُس کے مفہوم پیش کرنے سے ہوا۔ تلاوتِ قرآن کے بعد چیئرمین نے شُرکاء کے دور دراز کے اندرون و بیرونِ ممالک سے سفر کرتے ہوئے شرکت سے باہمی یگانت کا پُرخلوص اظہارِ تشکر کیا۔ بعدازاں معمول کے مطابق اپنے مخصوص والہانہ انداز میں کلامِ اقبال پیش کر کے سامعین سے داد وصول کی۔

حسبِ معمول سٹیج سکریٹری کے فرائض کی ادائیگی لاہور بزم کے نمائندہ محترم محمد عمر نے کی اور اپنے مخصوص خلوص سے بھرپور دھیمے اور پیارے انداز سے شروع سے لے کر آخر تک بغیر تھکان محسوس کئے اجلاس کی کاروائی میں جان ڈالتے رہے۔ سب سے پہلے اُنہوں نے محترم خورشید انور نمائندہ بزمِ سوات اور ادارہ کے وائس چیرمین کا تعارف پیش کرتے ہوئے سٹیج پر آنے کی دعوت دی۔ اُن کا موضوع تھا کہ ہم کہاں کھڑے ہیں اور کہاں تک پہونچنا ہے۔ اِس کی تفصیل میں جاتے ہوئے اُنہوں نے واضح کیا کہ اسلامی نظام کے حصول کی پہلی منزل الحق کی بلاغت سے عوام کے نفسِ قلب میں تبدیلی لانا ہوتا ہے۔ جب تک یہ تبدیلی نہیں لائی جائے گی تو ابتدائی منزل میں جہاں ہم کھڑے تھے، وہیں کھڑے رہیں گے۔ اِس لئے کہ اللہ بھی اُس قوم کی حالت نہیں بدلتا، جب تک وہ خود اپنی حالت بدلنے کی کوشش نہیں کرتی۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ ؕ (13:11)

خدا انسانوں کے موجودہ اعمال کے موجودہ نتیجے کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کوئی قوم خود ہی اپنے نفس کو تبدیل نہ کر لے۔

محترم خورشید انور کے بعد ہمارے ہر دِلعزیز محترم ڈاکٹر حامد میاں سٹیج پر تشریف لائے۔ ایک دِن پہلے ہی ادارہ میں منعقدہ تقریب میں ٹرسٹ کی رپورٹ کے بعد وہ محترم ڈاکٹر اعجاز رسول کے ہمراہ مفصل و مدلل خطاب کر چُکے تھے، اور جس خطاب میں بقول ہمارے اُستاد ڈاکٹر فرید الدین کے، ہمارے لئے بڑے واضح انداز میں تنبیہ کرنے کا سارا سامان موجود تھا۔ اس لئے مجھے کہنے کی اجازت دیں کہ وہ اللہ کی طرف سے فرشتوں کی شکل میں مُنکر نکیر کا ہی فریضہ ادا کرتے رہے۔

آج کے اجلاس میں ڈاکٹر حامد میاں صاحب نے اپنے انسانی ذات/خودی کے مخصوص موضوع کو علامہ اقبال کے کلام سے انتخاب کرتے ہوئے شروع کیا۔

خودی کا راز داں ہو جا خدا کا ترجماں ہو جا

خودی ہی کی اہمیت کا احساس دِلاتے ہوئے ہی علامہ اقبال نے فرمایا کہ:

مُنکر اُو اگر شوی، مُنکرِ خویشتن مشو

اگر تُم خدا کی ذات کے مُنکر ہونا چاہتے ہو تو ہو جاؤ، اللہ کی ذات کو اِس سے فرق نہیں پڑتا۔ تُم اپنی ذات کے مُنکر نہ ہونا، ورنہ فنا ہو جاؤ گے۔

اپنے موضوع کی وضاحت کرنے میں وہ منطقی و تحقیقی اصولوں کی روشنی میں مسلسل بے تھکان سنجیدہ اور طویل دلائل کا پورے لگن کے ساتھ شروع سے لے کر اخیر تک سلسلہ جاری رکھے رہے۔ وہ سامعین کو بھی سانس لینے اور اِدھر اُدھر دیکھنے کا موقعہ نہ دینے کا تہیہ کئے ہوئے تھے۔ بلاشبہ یہ ایک مومن ہی کی پُکار تھی، اور مومن کی یہی صِفت قرآن کی سورہ (9:112) میں حامدون کی بتائی گئی ہے۔ اِس طرح اُنہوں نے اپنے پکارے جانے والے حامد نام رکھے جانے کا اپنے عمل سے بھی عملی مظاہرہ کی مثال پیش کر دی۔

ڈاکٹر صاحب کے بعد محترم ارشاد لغاری مُختصر وقت کے لئے ڈائس پر تشریف لائے اور علامہ اقبال کے درجِ ذیل کلام میں اسلامی معاشی نظام کا بنیادی اصول پر مبنی نقشے کی تصویر کو ہمارے سامنے رکھ دیا کہ ؎

کس نباشد در جہاں محتاج کس نُکتۂ شرعِ مبین این است و بس

محترم ارشاد باری کے بعد ڈاکٹر عبدالرزاق ڈائس پر آئے اور اُنہوں نے بھی لغاری صاحب کے بنیادی اصول ہی کی روشنی میں قرآن کے پورے معاشی پروگرام کے خط و خال کا اقدارِ خداوندی کے تحت مکمل نقشہ کھینچ دیا۔ اُنہوں نے وضاحت کی کہ قرآن نے اسلامی معاشی نظام کو ایک الگ مربوط نظام میں بیان نہیں کیا، جیسا کہ ہماری نصابی کُتب کا دستور ہے، بلکہ مُختلِف مواقع پر متعلقہ اقدارِ خداوندی کو جوڑتے ہوئے، اُن کی مدد سے وہ سمجھاتے رہے اور ہم سمجھتے رہے۔

مُحترم ڈاکٹر عبدالرزاق کے بعد ہمارے شگفتہ مزاج قدیم مگر عمل میں نوجوان ساتھی محترم خالد فاروقی نے آتے ہی ہمیں سیدھا اور اُوپر جانے والا راستہ دِکھلانے میں دیر نہیں کی۔ یہ نکتہ سمجھایا کہ مومن کو اپنے باطن کی طرح اپنا ظاہر بھی شان دار اور متاثر کرنے والا رکھنا چاہئے اُنہوں نے وقت کی کمی کا احساس کرتے ہوئے بہت کم عرصہ میں اپنا مشن پورا کر لیا۔ اُن کا وقت کی کمی کا احساس بھی صاحبِ صدر کے آخر میں بولنے کے لئے وقت نہ بچا سکا۔

محترم خالد فاروقی کے بعد طلوع اسلام کے دیرینہ لکھاری بریگیڈیئر (ر) تیمور افضل خاں صاحب کو دعوتِ خطاب دی گئی۔ اُنہوں نے علامہ اقبال کے فلاحی ریاست کے مردِ مومن کے تصور کو اُجاگر کرتے ہوئے سامعین کے دِل میں بھی ایک تڑپ پیدا کر دی۔ ایک تو علامہ اقبال کے مردِ مومن کا اپنے مخصوص پرشکوہ بیان اور دوسرے فوجی کمانڈر کی زبان، دونوں نے مِل کر سامعین میں واہ واہ کی تحسین سے ایک سماں بندھ گیا۔ مجھے یاد آ رہا ہے کہ علامہ اقبال نے ایک موقعہ پر مومن کی مکمل تصویر کشی کرتے ہوئے کہا کہ ؎

مومنے بالا ئے از بالا ترے غیرتِ اُو بر نتابد ہمسرے

علامہ اقبال کا یہ تصورِ مومن کلامِ قرآن ہی کی عکاسی کرتا ہے کہ:

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (3:139) اگر تُم مومنین میں سے ہو تو پھر تم ہی سب سے اعلیٰ رہو گے۔

بریگیڈیر تیمور افضل کے بعد فیصل آباد بزم کے نمایندہ محترم عقیل حیدر صاحب کو وقت کی کمی کی وجہ سے مختصر خطاب کرنے

کی دعوت دی گئی۔ اُنہوں نے ڈائس پر آتے ہوئے راستہ ہی میں بطور وکالت کے پیشہ سے وابستہ ہونے کی وجہ سے اپنا حق سمجھتے ہوئے تھوڑا وقت دینے پر پروٹسٹ کرتے ہوئے بغاوت کا اعلانِ عام کرنے میں دیر نہیں لگائی۔ اپنی بغاوت کی سند میں اُنہوں نے وکیل کی حیثیت کو وکالت گردی کو رکھنے میں رکھا اور بغاوت کے اعلان کو تقویت دینے کے لئے اپنے مخصوص وقت سے تقریباً دُگنے وقت میں علامہ اقبال کے کلام کے جوابِ شکوہ کو پُرجوش اور جھومتے ہوئے بلند آواز سے بیان کرتے ہوئے ہال میں ایک سماں باندھ دیا۔ اِس سے پہلے اُنہوں نے ذاتی مفاد کی جگہ قرآن سے محبت سے سرشار جذبہ سے لیس ہوکر کنونشن میں شرکت کرنے پر سامعین کو خراجِ تحسین دینا نہیں بُھولے۔

محترم عقیل حیدر صاحب کے بعد محترم ذوہیب بٹ صاحب نے مُختصر وقت لیتے ہوئے کلامِ اقبال کو ترنم سے پیش کرکے داد وصول کی۔

زوہیب بٹ صاحب کے بعد حکیم عبدالمجید صاحب نے قرآن کے نظریہ توحید کی اہمیت بیان کرتے ہوئے سامعین پر زور دیا کہ وہ اِسے ہر عمل کرنے سے قبل ملحوظِ نگاہ رکھیں۔

حکیم عبدالمجید کے خطاب کے بعد ہم سب کے مُحسن اشرف ظفر کے سات سال کے پوتے ننھے نوشیر کو چند کلمات ادا کرنے کے لئے سٹیج پر بلایا گیا۔ اُنہوں نے بڑے اعتماد کے ساتھ Money سے پیار کرنے کی روش کی مذمت کرتے ہوئے سبھی کو محظوظ کیا۔ ہمارے محترم اشرف الظفر صاحب بھی ہمارے قریبی ساتھی خالد فاروقی کی تقلید میں تیسری نسل کو تربیت کے مراحل سے گزارتے ہوتے آبیاری کرتے نظر آئے۔

ہمارے ننھے نوشیر کے بعد محترم شکیل مُغل ادارہ میں مسکراہٹیں بکھیرنے والے سٹیج پر تشریف لائے اور قدرے طویل وقت پر محیط روزی روٹی کو اپنا موضوعِ سخن بنایا۔ اُنہوں نے صاف لفظوں میں بتایا کہ اِس بنیادی ضرورت کو حل کئے بغیر، مستیِ گفتار و کردار پر بات کرنے کا جواز ہی نہیں رہتا۔ اِن حالات میں انسان، انسان کے مقام پر نہیں، بلکہ حیوان ہی کے مقام پر براجمان رہتا ہے۔ وہ گفتگو میں نئے اور وزنی دلائل پیش کرتے ہوئے سامعین کی توجہ مبذول کراتے رہے۔

محترم شکیل مُغل کے بعد ہمارے سٹیج سیکرٹری محترم محمد عُمر نے بادلِ ناخواستہ مقررین کو یاد دِلایا کہ دوپہر کے تین ہوگئے ہیں اور لنچ آدھ گھنٹہ تک لگا دیا جائے گا۔ مقررین میں اُستادِ محترم ڈاکٹر پروفیسر فریدالدین اور ڈاکٹر اعجاز رسول صاحب رہ گئے تھے۔ دونوں شُعلہ بیان اور اپنے موضوع کے ماہر احباب ہیں، لہٰذا کمیِ وقت پر تشویش محسوس ہو رہی تھی۔ یہاں انتظامیہ تعریف کی مستحق ہے کہ وہ اُستادِ محترم سے خطاب نہ کرنے میں کامیاب رہے اور ڈاکٹر اعجاز رسول صاحب نے بھی کمال مہربانی یا پھر سامعین کی بھوک کا احساس کرتے ہوئے بات آدھ گھنٹہ سے بھی دومنٹ پہلے مکمل کر لی۔ اِس دومنٹ کے وقفہ میں محترم اشرف ظفر نے دروس القرآن کی انڈیکشن پر مبنی ضخیم کتاب صاحبِ صدرِ مجلس ڈاکٹر انعام الحق کو پیش کی اور پھر اُنہوں نے ایک لطیفہ سُنا کر مجلس کی تکمیل کرنے کا اعلان کر دیا۔ انتظامیہ نے ڈاکٹر انعام الحق کو خطبہ صدارت میں مجلس کی روئیداد اور مقالہ کی شکل میں اپنی تجاویز کے لئے unlimited وقت میں پیش کرنے کا کہہ رکھا تھا، جو مجلس کا وقت ختم ہونے کی وجہ سے اب دونوں طلوع اسلام کے شمارہ میں دستیاب کی جارہی ہیں۔

قرآنِ کریم کا اِنسائیکلوپیڈیا

قرآنِ مجید انسانی زندگی کے تمام گوشوں کے لئے ضابطۂ ہدایت ہے لیکن اس کا انداز یہ نہیں کہ وہ ایک موضوع کے متعلق ایک ہی جگہ سب کچھ بیان کردے۔ اس کے متعلق وہ مختلف مقامات پر تفصیلات دیتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے احکام و قوانین کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ کو معلوم ہو کہ ان کے متعلق اس نے کہاں کہاں، کیا کیا کہا ہے۔ لیکن قرآن کریم پر ایسی وسیع نگاہ رکھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔

مفکرِ قرآن محترم پرویز صاحب نے اس مشکل کو ہمارے لئے حل کردیا ہے۔ انہوں نے چالیس سال کی محنتِ شاقہ سے قرآنِ مجید کا ایسا انسائیکلو پیڈیا مرتب کردیا جس میں قریب دو ہزار چار سو عنوانات میں سے ہر ایک کے متعلق قرآنی آیات کے حوالے دے دیئے ہیں۔ بالفاظِ دیگر انہوں نے قرآنی تعلیمات کو (Classify) کردیا۔

اس عظیم الشان علمی و تحقیقی کتاب

تبویب القرآن

کا نیا اور کمپیوٹر کمپوزڈ ایڈیشن شائع ہو گیا ہے۔

کمپیوٹر کمپوزنگ اور کتابت کا حسین اِمتزاج

طباعت کا اعلیٰ ترین معیار

طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) ○ 25 بی، گلبرگ 2، لاہور

tolueislam@gmail.com ; www.islamicdawn.com

www.facebook.com/tolueislam.trust

Phone: +92 42 35753666

خورشید انور، سوات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن اور ہمارا سفر

(کنونشن کے موقع پر پڑھا گیا مقالہ)

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے
پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلمان کی
ستارے جس کی گرد راہ ہوں وہ کارواں تو ہے
مکاں فانی مکین آنی، ازل تیرا ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تو جاوداں تو ہے
تیری فطرت امیں ہے ممکنات زندگانی کی
جہاں کے جوہر مضمر کا گویا امتحاں تو ہے

آج میرا موضوع سخن ہے ۔ ''قرآن اور ہمارا سفر'' مطلب یہ کہ طلوع اسلام کا ماضی کس حد تک مطالب قرآنی کے مطابق رہا ہے، حال میں ہم کہاں کھڑے ہیں اور مستقبل کے لئے قرآن ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے اور ہماری حکمت عملی کیا ہونا چاہئے۔ موضوع بہت وسیع ہے مگر میں اختصار کی ہر ممکن کوشش کرونگا۔

میرے عزیز بھائیو اور بہنو:

طلوع اسلام کے قیام کا مقصد اقبال کے خوابوں کے مطابق مستقبل کی ایک اسلامی ریاست کے لئے فکری اساس مہیا کرنا تھا۔ ایک ایسی ریاست جس نے بقول اقبالؒ ''عربی ملوکیت کے اثرات سے آزاد ہو کر'' دنیا کے سامنے اسلام کا عملی نمونہ پیش کرنا تھا۔ پہلا چیلنج اس ریاست کا قیام تھا اور دوسرا چیلنج اس ریاست کو مقصد کے حصول کی طرف گامزن کرنا تھا۔ پہلا چیلنج بہت مشکل تھا جس میں چاروں طرف ایک صبر آزما لڑائی لڑنی تھی۔ ایک طرف غاصب انگریز حکمرانوں کی شاطرانہ چالیں تھی، دوسری طرف تنگ نظر ہندوؤں کا تعصب تھا، تیسری طرف مسلمان عوام کی سادہ لوحی اور خواب غفلت تو چوتھی طرف نیشنلسٹ علماء تھے۔ پہلے تین محازوں پر تو قائد اعظم محمد علی جناح تن تنہا کافی تھے لیکن چوتھا محاذ سب سے پر خطر اس وجہ سے تھا کہ یہ محاذ منبر رسولؐ کے قابضین کا تھا۔ ان کی ہر بات کو مذہب کی سند حاصل تھی ، اور اگر قائد اعظم ان کے ساتھ نظری مباحث میں الجھ جاتے تو تحریک پاکستان پر بہت برے اثرات مرتب ہوتے۔ یہی محاذ تھا جس کو علامہ اقبال نے خود اور ان کی وفات کے بعد طلوع اسلام اور علامہ پرویز صاحب نے سنبھالا۔ کانگرس کے ہمنوا علماء کا نظریہ یہ تھا کہ قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے منبر سے اٹھنے والی اس آواز کی مخالفت کرنا کسی ایرے غیرے کا کام کہاں تھا۔ مرد درویش علامہ اقبالؒ نے اس فتنے کو برسر عام چیلنج کرتے ہوئے اعلان فرمایا:

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ
زدیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است
بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

اقبالؒ کی وفات کے بعد علامہ پرویزؒ نے اس علم کو تھام لیا اور طلوع اسلام کے پلیٹ فارم سے اس محاذ کو اس خوش اسلوبی سے سنبھالا کہ قائداعظم کو عملی جدوجہد کے لئے دیگر محاذوں پر لڑنے کی فرصت ملی اور تقریباً ایک عشرے کی قلیل مدت میں بظاہر ناممکن نظر آنے والے معرکے کو سر کر لیا اور پاکستان دنیا کے نقشے پر ایک نظریاتی اساس لیکر ابھرا۔

عزیز ساتھیو: قیام پاکستان کے بعد یعنی 1947ء سے لیکر 1985ء میں اپنی وفات تک تقریباً 38 سال پرویز صاحب نے اپنی زندگی اور طلوع اسلام کا پلیٹ فارم قرآن سے دور ملوکیت کی گرد ہٹانے کیلئے وقف کی۔ وہ گرد جس کی وجہ سے اسلام کا اصل چہرہ دنیا کی دیگر اقوام تو کیا خود مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ پرویز صاحب نے نہ صرف قرآنی لٹریچر کا بیش بہا خزانہ مرتب کیا بلکہ دروس قرآن اور تقاریر کی شکل میں طالبان قرآنی کی تشنگی کافی حد تک دور کر دی۔ اسکے ساتھ ساتھ انہوں نے بزمہائے طلوع اسلام کی شکل میں ملک بھر میں اور بیرون ملک ایک وسیع حلقہ احباب پیدا کیا۔ پرویز صاحب نے غیر قرآنی اور پاکستان مخالف اٹھنے والے ہر فتنے اور آواز کے خلاف اپنے قلم اور زبان کے ذریعے مسلسل جہاد کیا۔ ایک انسان کے بس میں جو تھا اس نے یقیناً اپنی بساط سے بڑھ کر کیا۔ پرویز صاحب نے جو کچھ کیا اسے ایک قرآنی نظام مملکت کیلئے بلاشبہ کافی مسالہ کہا جاسکتا ہے۔ اس سفر میں کئی صاحبان اقتدار بھی پرویز صاحب کے ہمنوا ہوئے لیکن شائد مفاد پرستی یا مصلحت کوشی کے بناء پر وہ نہ تو کھل کر سامنے آئے اور نہ ہی منزل کے جانب قدم آگے بڑھانے میں کوئی مدد دی۔

دوستو یہ تھا طلوع اسلام کا شاندار اور قابل رشک ماضی جو پرویز صاحب اور ان کے چند رفقاء کی شبانہ روز کاوشوں کا مرہون منت ہے۔

غلامی میں نہ کام آتی ہیں تدبیریں نہ تقدیریں
جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

عزیز ساتھیو: اب ذرا اپنے حال کی طرف آتے ہیں۔ حال کی ایک جھلک تو گذشتہ سال ادارہ کی طرف سے بزمہائے طلوع اسلام کو وہ مراسلہ ہے جس میں اس خدشے کا اظہار کیا گیا تھا کہ مالی مشکلات کی وجہ سے ماہنامہ طلوع اسلام بند ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس مجلہ کا جاری رہنا نہ صرف ہماری علامتی موجودگی کے لئے ضروری ہے بلکہ اس کو انٹرنیٹ کے ذریعے دنیا کے کونے کونے میں پہنچایا جاتا ہے۔ ماہنامے کی اشاعت کی افادیت اپنی جگہ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم اپنے حلقہ اثر میں جتنا اضافہ کرنے کے قابل ہیں اس سے کئی لاکھ گنا زیادہ مختلف فرقوں کے آلہ کار ہر سال مدرسوں سے فارغ ہو رہے ہیں۔ اور ان میں ہر فرد منبر کی وراثت کی سند لے کر معاشرے میں آتا ہے۔ اس صورت حال میں مقدار کے لحاظ سے تو ہماری برتری ناممکن ہے تاہم معیار کے لحاظ سے ہمیں سوچنا ہوگا۔ اگر ہم نے واقعی مملکت پاکستان کو ایک

فکری اساس مہیا کرنی ہے تو اس کیلئے گفتار کی بجائے کردار پر توجہ دینی ہوگی جو جماعت مومنین سے قرآن کریم کا ایک بنیادی مطالبہ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (61:2)

مومنو تم ایسی باتیں نہ کہا کرو جو کرتے نہیں ہو۔

اس آیت کو دیکھتا ہوں تو گماں ہوتا ہے کہ ہمارا حال قرآن کریم کے احکام سے مطابقت نہیں رکھتا۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ (41:30) جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر جم کر کھڑے رہے تو ان پر فرشتوں کا نزول ہوگا جو کہیں گے کہ خوف اور حزن نہ کرو اور خوش خبری سنو اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ معاہدہ کر کے اس کے احکام کی تعمیل کیلئے جم کر کھڑے ہونے کی صورت میں غیر اللہ کا خوف اور کسی قسم کا حزن باقی نہیں رہتا اور حریت فکر کے نتیجے میں کائناتی قوتیں انسان کی رفیق بن جاتی ہیں جو ہر قدم پر اس کی معاون ہوتی ہیں لیکن اگر ہم نے اپنی تحریک کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تو پھر بقول اقبالؒ:

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

قرآن کریم کہتا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (3:110)

تم بہترین امت ہو جسے انسانوں کے فائدے کیلئے میدان میں لایا گیا ہے کہ تم معروف کا حکم دو اور منکرات سے روکتے رہو۔

ظاہر ہے کہ اس فریضہ کا مقصد محض وعظ و نصیحت نہیں، بلکہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیلئے قوت و اقتدار ارضی ناگزیر ہے۔ اگر کوئی گروہ یہ دعویٰ کریں کہ اقتدار کے معاملات سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں اور وہ مروجہ غیر قرآنی نظام مملکت میں مطمئن ہو کر زندگی بسر کریں تو ان کے متعلق قرآن کریم کی وعید ملاحظہ فرمائیں سورہ آل عمران میں ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (3:85)

یعنی جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی اور نظام زندگی کو اختیار کریگا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

عزیزان محترم: ہم تو روایتی مذہب کو بھی خیر باد کہہ چکے ہیں۔ کہ ثواب کی امید پر اپنے آپ کو مطمئن کر لیں یعنی قرآن کے رو سے ہماری پوزیشن یہ ہے کہ ہم نے لا الہ تو کہہ دیا لیکن الا اللہ کے راستے پر گامزن ہونے میں گومگو کا شکار ہیں۔ ہم سب اس بات کے قائل ہیں کہ اعمال کے صحیح اور غلط ہونے کی کسوٹی اس کے نتائج ہوتے ہیں جو ہمارے سامنے حقیقت ثابتہ بن کر کھڑے ہوتے ہیں۔ تو ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ بحیثیت جماعت یا تحریک نتائج کے اعتبار سے ہمارا آج کا عمل کس حد تک قرآن کے مطابق ہے۔ کیونکہ پاکستان بحیثیت ریاست اپنی حقیقی منزل سے دوری کے جانب بڑی تیزی سے گامزن ہے۔ اور اس کی فکری اساس کا امین طلوع اسلام بھی اپنی تاریخ کے بدترین بحران سے گزر

رہا ہے۔ اکثر دوستوں کی رائے ہے کہ ہم اپنی سرگرمیوں میں جوں کے توں مگن رہیں اور جب حالات خود بخود سازگار ہو جائینگے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اگر ہم حالات کے از خود بہتری کے انتظار میں اسی طرح بیٹھے رہے تو ہم شائد حالات کو قابو کرنے کے قابل تو نہ رہیں البتہ یہ ممکن ہیں کہ حالات ہمیں اپنے دھارے میں بہالے جائیں۔ اگر ہم نے عملی طور پر کچھ کرنا ہے تو سب سے پہلے بحیثیت جماعت ہمیں اپنی سوچ اور نفسیات میں تبدیلی پیدا کرنی ہوگی جو قرآن کریم کے رو سے خارجی انقلاب کے لئے بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ سورہ رعد آیات نمبر 11 میں ارشادِ ربانی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ ؕ (13:11) اللہ کسی بھی قوم کی (خارجی) حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ قوم اپنے اندر نفسیاتی تبدیلی پیدا نہیں کرتی۔

دنیا کی تاریخ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ نفسیاتی تبدیلی کے بغیر دنیا میں کوئی انقلاب اپنے مقاصد کو حاصل نہیں کر سکا ہے۔

اور اسلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ حضور ﷺ نے 63 سال کی عمر پائی۔ چالیس سال کی عمر میں آپ ﷺ کو نبوت ملی جس کے بعد 13 سال کی مکی زندگی اور 10 سال کی مدنی زندگی ہے۔ 13 سال کی مکی زندگی بظاہر مشکلات اور مصائب کی زندگی ہے جس میں حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو قدم قدم پر روکاٹوں کا سامنا تھا اور تحریک آگے بڑھتی نظر نہیں آرہی تھی۔ لیکن اسکے مقابلے میں مدنی زندگی کامیابیوں اور کامرانیوں سے عبارت ہے جب ایک اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا اور مسلمانوں نے بڑی تیزی سے ترقی کی منازل طے کیں۔ لیکن اگر بنظر تعمق دیکھا جائے تو مدنی زندگی کی کامیابیوں کا سہرا 13 سالہ مکی دور کے مشکلات و مصائب کے سر ہے جب ایک جماعت کے اندر نفسیاتی تبدیلی پیدا ہو رہی تھی۔ اس جماعت نے آگے جا کر مسلم ریاست کے عوام اور معاشرے میں خمیر کا کردار ادا کرنا تھا۔ نتیجتاً ایک ایسا بامقصد اور پائیدار انقلاب برپا ہوا جس کے خوشگوار نتائج سے پوری دنیا منور ہوئی۔ آج بھی وہی حالات ہیں وہی معاشرہ ہے وہی چیلنجز ہیں اور وہی ابدی پیغام ہے۔ بقول اقبالؒ

آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

اور اقبال ہی کی زبان میں ؎

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

عزیزان محترم: اب سوال یہ ہے کہ کس طرح طلوع اسلام کو ایک فعال جماعت بنا کر اولاً اس ملک میں اور اسکے بعد پوری دنیا میں قرآنی انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے؟ میری رائے میں پہلا کام اراکین بزم ہائے طلوع اسلام کی تربیت اور دوسرا کام قرآنی پیغام کو عام کرنے کے لئے جدید ذرائع ابلاغ تک رسائی ہے۔ لیکن ان دونوں کاموں سے پہلے ایک عملی پروگرام ترتیب دینا ضروری ہے۔ کیونکہ ایک تبلیغی جماعت بن کر ہم انقلاب کا تصور نہیں کر سکتے جب تک ہمارے سامنے ایک بامقصد اور واضح پروگرام یعنی Road Map نہ ہو۔

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

آپ سب کا بہت بہت شکریہ!

ڈاکٹر عبدالرزاق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآنی معاشی اصول اور آج کا انسان

(کنونشن کے موقع پر پڑھا گیا مقالہ)

جب ہم اسلام کی معاشی یا سیاسی نظام کی بات کرتے ہیں تو ہمارے ذہنوں میں زیادہ تر اس سے مراد کوئی متعین ڈھانچہ یا سسٹم ہوتا ہے بالکل اسی طرح جب ہم اسلامی معاشرت اور ثقافت کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد بھی کوئی مخصوص وضع قطع اور طرز زندگی لی جاتی ہے۔

قرآن کریم کے طالب علم اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم ان سب شعبہ ہائے زندگی میں کوئی مخصوص ڈھانچہ دینے کی بجائے مستقل اقدار دیتا ہے جو کہ بہترین نظاموں (systems) کی بنیاد بن سکتی ہیں۔

قرآن کریم کی یہ مستقل اقدار اور فطرت کے وہ قوانین جن پر ساری کائنات چل رہی ہے ہمارے لیے روشنی کے وہ مینار ہیں جن کی روشنی میں ہم معاشی اور سیاسی نظام غور وفکر اور باہمی مشاورت سے وضع کر سکتے ہیں۔ اس طریقے سے وضع کیے گئے نظام انسانیت پرور بھی ہوں گے اور بدلتے وقت کے تقاضوں کا ساتھ بھی دے سکیں گے بشرطیکہ ہم غور وفکر اور تدبر کی روش اپنالیں۔

(8:22): دیکھنا کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو کہتے تو یہ ہیں کہ ہم نے احکام کو سن لیا ہے لیکن درحقیقت وہ انہیں دل کے کانوں سے نہیں سنتے یعنی اس پر غور وفکر نہیں کرتے۔ قانون خداوندی کی رو سے بدترین خلائق وہ لوگ ہیں جو بہرے اور گونگے بنے رہتے ہیں۔

(2:117): اصل دین یا کشادگی کی راہ یہ نہیں کہ تم چند رسوم ومناسک کو اصل دین سمجھ کر اختیار کر لو یعنی اپنا منہ مشرق کی طرف کرتے ہو یا مغرب کی طرف کرتے ہو بلکہ مقصد نظام کا قیام ہے جس کی بنیادیں اللہ پر ایمان آخرت اور قانونِ مکافاتِ عمل پر ایمان قوانین فطرت پر ایمان انبیائے کرامؑ پر ایمان اور وحی خداوندی پر ایمان ہے۔ پھر اس آئیڈیالوجی کے اختیار کرنے کے بعد روش یہ ہو کہ مال و دولت کی محبت کے باوجود اسے دوسروں کی پرورش کے لیے عام کر دینا وہ رشتہ دار ہوں یا ایسے لوگ جو معاشرے میں لاوارث اور تنہا رہ جائیں۔ یا وہ جن کا چلتا کاروبار رک جائے۔ یا ان میں کام کاج کی استعداد باقی نہ رہے یا ایسے مسافر جو زادراہ سے محروم ہو جائیں یا وہ لوگ جن کی کمائی ان کی ضروریات پوری نہ کر سکے۔

خالد بشیر فاروقی، لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ظاہر و باطن

(کنونشن کے موقع پر پڑھا گیا مقالہ)

میرے آج کے خطاب کا عنوان ہے ''ظاہر و باطن''

ایک کاغذ پر 2 نقطے لگائیں اور آپس میں ملائیں، دیوار پر 2 نقطے لگائیں اور آپس میں ملائیں یا کسی کھلی زمین پر اِدھر آپ کھڑے ہیں اور دور ایک لاٹھی گاڑ دیں اور اس کے درمیان کم سے کم فاصلہ متعین کریں۔ اور اسی طرح اب آپ یہاں کھڑے ہیں اس دنیا میں ایک یہ پوائنٹ ہے اور روزِ قیامت موت کے بعد کی زندگی دوسرا پوائنٹ ہے۔ اسے بھی سیدھی لائین سے ملائیں۔ کون شخص ہوگا جو منزل مقصود کے لئے ٹیڑھا راستہ اختیار کرے گا کبھی دائیں کبھی بائیں۔ یا تو وہ پہنچے گا نہیں یا کم از کم دیر ضرور کردے گا۔ ابتدائی عمر میں ہی سن رکھا ہے کہ Minimum Distance Between Two Points is known as Straight line اس منزل کے سفر کے 2 حصے ہیں ایک حصہ ہے ظاہر اور دوسرا باطن۔ ظاہر اور باطن جاننے کے لئے آپ دیکھیں سورۃ الحدید کی تیسری آیت:

هُوَ الۡاَوَّلُ وَالۡاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالۡبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ۝۳ (57:3)

اس آیت میں لفظ الظَّاهِرُ کا مفہوم کچھ اس طرح ہے:

''جب نگاہِ بصیرت کائنات کے تخلیقی مظاہر پر غور کرے تو وہ خالقِ کائنات کے متعلق ٹھیک ٹھیک اندازہ کرسکتی ہے زور کس پہ ہے ''تخلیقی مظاہر'' پر یعنی اس طرح انسان اس نتیجے پر پہنچ جاتا ہے کہ اس مخلوق کا کوئی خالق بھی ہے۔''

''باری تعالیٰ کے وجود، وحدت، خالقیت اور حاکمیت کے دلائل عالم آشکارا ہیں اس لحاظ سے وہ ظاہر ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ اس کی اصل حقیقت تک رسائی سے مخلوق قاصر ہے، وہ باطن ہے۔'' مثال کے طور پر پتھر کا بلندی سے گہرائی کی طرف گرنا یہ ظاہری عمل کا مظاہرہ ہے۔ مگر جو چھپی ہوئی قوت اسے نیچے کی طرف لے جارہی ہے یعنی کشش ثقل یہ اس کا باطن ہے۔

دراصل اس تحریر کے ذریعے میں نوجوانوں سے مخاطب ہوں کہ اُن کا ظاہر اور باطن کیسا ہونا چاہئے۔

اب جانیے کہ انسانی دنیا میں ظاہر کسے کہتے ہیں:

(1) ظاہر: کسی کا ظاہر، ایک انسان کا ظاہر، اس کی وجاہت یا وضع قطع، چمکتے صاف بوٹ، لباس کی خوشنمائی، اس کی زندگی کا نظم وضبط، اس کی چال، ہاتھوں میں کتابیں اور وقت کا صحیح استعمال ان سب سے انسان کی شخصیت یا اس

کے ظاہر کا پتہ چلتا ہے۔ یہاں میں بانیٔ پاکستان قائداعظمؒ کی مثال دینا چاہوں گا۔ قائداعظمؒ انگریز گورنر جنرل یا وائسرائے سے مدلل گفتگو سے پہلے اپنے لباس ہی سے اسے نیچا دکھا دیتے تھے۔ یہ قائداعظم کا ظاہر تھا دیکھئے اسی عظیم شخصیت یعنی قائداعظمؒ کو دنیا کس نظر سے دیکھتی ہے۔ ان کی وفات سے تقریباً دو اڑھائی سال بعد بلبلِ ہند سروجنی نائیڈو کے الفاظ ہیں: ''اگر مسلمانوں کے پاس ہزار گاندھی، نہرو اور پٹیل ہوتے اور کانگریس کے پاس صرف ایک محمد علی جناح ہوتے تو پاکستان کبھی نہ بن پاتا۔''

(2) انسان کے باطن پر غور کریں تو دیکھنا یہ ہے کہ اس کا آج کا دن گذشتہ دن سے کتنا بہتر ہے اور اس کے کام میں نظم وضبط بھی ہے۔ وہ توجہ وانہماک سے اپنے کام میں محو بھی رہتا ہے مگر نتیجہ کیا ہے۔ کہنا میں یہ چاہتا ہوں کہ اس کے ارتقائے زندگی کی کمائی ہی اس کا کریڈٹ ہے۔ نیا زمانہ نئے صبح شام پیدا کر۔ اور ہر حالت میں اس کی مقصدیت اور اُلوہی مقصدیت ایک ہو۔

جب ایک طالب علم اپنی روزانہ کی تعلیم پر توجہ دیتا ہے تو وہ معاشرے میں ایک اعلیٰ مقام حاصل کر لیتا ہے اس تسلسل میں اگر اس کے ساتھ کوئی غیر معمولی واقعہ ہو جائے تو اس کی زندگی میں ایک انقلابی تبدیلی ضرور آسکتی ہے۔ ایسے ہی کئی سال قبل کا ایک واقعہ ہے کہ میں اپنے والدین کے ساتھ اپنے گھر موجود تھا شام کے وقت ہمارے ایک رشتے دار اپنے بیٹے کے ساتھ تشریف لائے۔ باتوں باتوں میں میرے والد نے اس بیٹے کو چند سیکنڈ غور سے دیکھا جو عمر میں 22 یا 23 سال کا تھا۔

اس کے والد سے پوچھا کہ پڑھائی میں کیسا ہے۔ انہوں نے جواباً کہا۔ اس کی بہن تو خوب توجہ سے اپنا کام کرتی ہے اس کے بارے میں مَیں فکر مند ہی رہتا ہوں۔

اب میرے والد اس نوجوان سے کس طرح مخاطب ہوئے ''میری بات غور سے سنو اور دماغ سے تمام خیالات جھٹک کر ذہن کی سلیٹ کو صاف کر لو تا کہ میری بات ذہن نشین کر سکو۔ اور کہا: ''تم اپنا ظاہر اور باطن اتنا زبردست رکھو کہ اگر کسی بھی محفل/ دفتر یا کسی کے گھر جاؤ تو استقبال کرنے والے تمہیں دیکھ کر آفرین کہہ اُٹھیں۔'' شکریہ

سانحہ ارتحال

محترم ارشاد احمد لغاری (نمائندہ بزم طلوعِ اسلام، چوٹی زیریں، ضلع ڈیرہ غازی خاں) کی رفیقۂ حیات گذشتہ دنوں طویل علالت کے بعد انتقال کر گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو کروٹ کروٹ بہشت عطا کرے اور پس ماندگان کو صبر کی توفیق دے۔ ادارہ ارشاد احمد لغاری، ان کے بچوں اور اعزہ اقرباء کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

خصوصی اپیل

(بے مثال تفسیرِ قرآن کی نشر و اشاعت کے لئے تعاون کی درخواست)

غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ نے ساری عُمر قرآن کریم کی تحقیق، تعلیم اور ترویج کرنے میں بسر کی۔ اُنہوں نے خالص قرآن کی مدد سے عصرِ حاضر کے علمی، تحقیقی، سائنسی اور تنقیدی اصولوں کی پاسداری کرتے ہوئے قرآن کے اصلی پیغام الحق کو ہم تک پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ پینتیس سال کے لگ بھگ ہفتے کے ہر جمعہ/ اتوار کو باقاعدگی سے درسِ قرآن دیا کرتے تھے۔ اُن کے دروس آڈیو/ وڈیو میں منتقل کئے جاتے تھے جن میں پورے قرآن کا بڑی تفصیل سے لگ بھگ ایک ہزار گھنٹے پر محیط جائزہ لیا گیا ہے۔ بعد میں انہی ٹیپ کی مدد سے اِن دروس کو ٹائپ کر کے مطالب القرآن فی دروس الفرقان کے نام سے کتابی شکل میں 41 ضخیم جلدوں میں شائع کر دیا گیا ہے۔ **ادارہ طلوع اسلام** نے اِسے تبلیغ کا فریضہ خُداوندی سمجھتے ہوئے نبھایا ہے اور احباب سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اِن کُتب کو ادارہ سے خرید کر زیادہ سے زیادہ لوگوں اور اداروں تک اپنا تبلیغی فرض سمجھتے ہوئے پہنچائیں۔ اِس عمل میں اگر آپ ادارہ کو مطلوبہ افراد کی فہرست فراہم کر دیں گے تو وہ اس تفسیر قرآنی کا ایک سیٹ آپ کی جانب سے آپ کے دئے ہوئے پتہ پر بجھوا دے گا۔ تعلیمی اداروں میں خصوصی طور پر تعلیمی درسگاہیں اور پبلک لائبریریاں زیادہ اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ ادارہ کے پاس اِن کی فہرست موجود ہے جو ضرورت پڑنے پر مہیا کی جا سکتی ہے۔ آپ کو اِس امر سے یہ بھی تسلی رہے گی کہ آپ نے نہ صِرف اپنی طرف سے تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے ہوئے اللہ کے کام میں رفاقت کی سعادت حاصل کی ہے بلکہ ادارے کی بھی اِس فریضہ کی ادائیگی کو جاری رکھنے میں بھرپور مدد فراہم کی ہے۔

(41) اکتالیس ضخیم جلدوں پر مشتمل اِس منفرد تفسیر کا ہدیہ مبلغ 19000 روپے ہے۔ اگر آپ یہ تفسیر کسی لائبریری یا دوست کو گفٹ کرنا چاہتے ہیں تو ادارہ کو صرف -/15000 روپے ارسال کر دیجئے۔ ادارہ آپ کی جانب سے یہ تفسیر قرآن مطلوبہ لائبریری یا فرد تک بھجوا دے گا۔ عطیات کے لئے ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر درج ذیل ہے۔ ہماری دلی تمنا یہ ہے کہ دروس القرآن کی یہ اکتالیس (41) ضخیم جلدوں پر مشتمل قرآنِ کریم کی مکمل تفسیر پاکستان کی ہر یونیورسٹی کی لائبریری کی زینت بنے تا کہ وہاں کے تمام طالب علم قرآنِ کریم کی اس بے مثال تفسیر سے استفادہ کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ ہماری معصوم آرزو کو شرف قبولیت بخش دے اور صاحب حیثیت لوگ اس سلسلے میں آگے بڑھیں اور اس کام میں ہماری مدد کریں تا کہ تبلیغ دین کے اس فریضہ سے ہم سب عہدہ برا ہو سکیں۔ شکریہ

Bank Account Idara Tolu-e-Islam

National Bank of Pakistan, Main Market Branch Gulberg Lahore

For Domestic Transactions
Bank A/C No: 0465004073177672

For International Transactions
IBAN:PK36NBPA0465004073177672
Swift Code: NBPAPKKAA02L

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت ادارہ طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مطالب القرآن فی دروس الفرقان

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	200/-	سورۃ الانبیآء	(21)	336	300/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورۃ الحج	(22)	380	350/-
سورۃ البقرہ (اول)	(2)	500	400/-	سورۃ المؤمنون	(23)	408	400/-
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	400/-	سورۃ النور	(24)	264	350/-
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	400/-	سورۃ الفرقان	(25)	389	350/-
سورہ آل عمران (اول)	(3)	472	500/-	سورۃ الشعرآء	(26)	454	400/-
سورہ آل عمران (دوم)	(3)	480	500/-	سورۃ النمل	(27)	280	300/-
سورۃ النساء	(4)	870	700/-	سورہ القصص	(28)	334	350/-
سورۃ المائدہ	(5)	450	500/-	سورہ عنکبوت	(29)	388	350/-
سورۃ الانعام	(6)	600	600/-	سورہ روم، لقمان، السجدہ	(30,31,32)	444	400/-
سورۃ الاعراف (اوّل)	(7)	480	500/-	سورہ احزاب، سبا، فاطر	(33,34,35)	570	400/-
سورۃ الاعراف (دوم)	(7)	400	500/-	سورہ یٰسٓ	(36)	164	150/-
سورۃ انفال	(8)	210	250/-	سورہ الصّٰفّٰت، ص، زمر	(37,38,39)	450	400/-
سورہ توبہ	(9)	530	550/-	سورۃ مومن تم سجدہ، سورہ شوریٰ	(40,41,42)	624	550/-
سورۂ یونس	(10)	360	400/-	سورۃ زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، محمدؐ	(43-44-45 46-47)	520	500/-
سورۃ ھود	(11)	400	400/-	سورۂ الفتح، الحجرات، ق، الذاریات، الطور، النجم	(48-49-50 51-52-53)	550	500/-
سورۃ یوسف	(12)	288	300/-	سورۂ القمر، الرحمٰن، واقعہ، الحدید	(54-55 56-57)	384	400/-
سورہ رعد، ابراہیم، الحجر	(13-15)	500	500/-	28 واں پارہ (مکمل) مجادلہ، حشر، ممتحنہ، صف، جمعہ، منافقون، تغابن، طلاق، تحریم	(58-59-60-61-62-63-64-65-66)	300	300/-
سورہ النحل	(16)	334	300/-				
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	400/-	29واں پارہ (مکمل)	----	544	400/-
سورۃ الکہف وسورہ مریم	(18-19)	532	500/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	400/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	350/-	شرح جاوید نامہ	----	800	1000/-

ادارہ طلوعِ اسلام B-25 گلبرگ 2، لاہور 54660، (پاکستان) فون نمبر: +92 42 3571 4546 +92 321 4460 787

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

سالانہ کنونشن ادارہ طلوعِ اسلام

سماعت گاہ کے مناظر

منعقدہ مورخہ 27 اکتوبر 2018ء










سماعت گاہ کے مناظر










شام 27 اکتوبر 2018ء



حاضرینِ مجلس کا ایک منظر



محمد عمر، بزم لاہور



سامعینِ کرام



سامعینِ کرام



حاضرینِ مجلس کا ایک منظر



حسین قیصرانی منیجر طلوع اسلام ٹرسٹ



عابد حسین صاحب (بزم طلوعِ اسلام راولپنڈی)



حاضرینِ مجلس کا ایک منظر

شام 27 اکتوبر 2018ء



بشیر عابد صاحب بات چیت کرتے ہوئے



حاضرینِ مجلس کا ایک منظر



سامعینِ کرام



خصوصی خطاب از ڈاکٹر اعجاز رسول (گلاسگو)





ڈاکٹر حامد اے میاں وائس چیئر مین ادارہ اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے



حاضرینِ مجلس کا ایک منظر



سامعینِ کرام

سالانہ کنونشن ادارہ طلوعِ اسلام
(سیمینار)

منعقدہ مورخہ 28 اکتوبر 2018ء



محمد عمر نظامت کے فرائض ادا کرتے ہوئے



محمد اکرم راٹھور اقبال کی نظم پڑھتے اور خطبۂ افتتاحیہ دیتے ہوئے



خورشید انور وائس چیئرمین ادارہ اظہار خیال کرتے ہوئے



ڈاکٹر حامد میاں وائس چیئرمین ادارہ خیالات کا اظہار کرتے ہوئے



ڈاکٹر عبدالرزاق اپنا مقالہ پیش کرتے ہوئے



ارشاد احمد لغاری اپنا مقالہ پڑھتے ہوئے



خالد بشیر فاروقی اپنا مضمون پیش کرتے ہوئے



حاضرینِ مجلس کا ایک منظر



سماعت گاہ کا ایک منظر



اسٹیج پر موجود مہمانانِ خصوصی (دائیں سے بائیں) خورشید انور، ڈاکٹر انعام الحق، ڈاکٹر اعجاز رسول، ریاض احمد، اکرم راٹھور، محمد عمر



بریگیڈیئر (ر) تیمور افضل خان تقریر کے دوران



سامعینِ کرام



عقیل حیدر ''جواب شکوہ'' پیش کرتے ہوئے



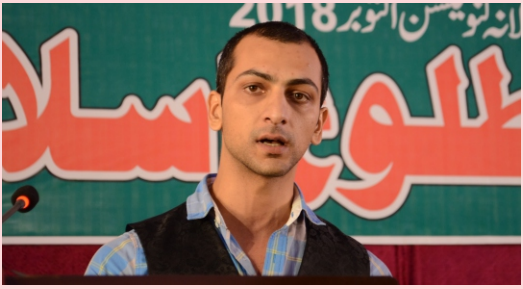
حاضرینِ مجلس کا ایک منظر



سماعت گاہ کا ایک منظر



حکیم عبدالمجید اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے



زوہیب بٹ ترنم کے ساتھ اقبالؒ کے اشعار پڑھتے ہوئے



حاضرینِ مجلس کا ایک منظر



نوشیر تقریر کے دوران



حاضرینِ مجلس کا ایک منظر



محمد شکیل مغل اظہارِ خیال کے دوران



ڈاکٹر اعجاز رسول تقریر کرتے ہوئے



سماعت گاہ کا ایک منظر



سامعینِ کرام





اشرف ظفر کتاب ''مشمولاتِ دروس القرآن'' پیش کرتے ہوئے



سماعت گاہ کا ایک منظر

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی
www.azharabbas.com
khawaja.azharabbas@gmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ریاستِ مدینہ
مقاصدِ عالی حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے

خلافتِ راشدہ کے انقراض کے بعد ہماری پیشوائیت کا مقصد اور مطمحِ نگاہ صرف معرفت اور روحانیت حاصل کرنا رہ گیا۔ قرآنِ کریم ان دونوں چیزوں کا مخالف ہے۔ قرآن میں نہ معرفت کا لفظ آیا ہے اور نہ ہی روحانیت کا لفظ مگر اس کے باوجود مسلمانوں نے ان ہی دونوں چیزوں کو اپنا مقصدِ حیات قرار دیا اور ان دونوں کے حصول کا ذریعہ پرستش کو قرار دیا پرستش ایک انفرادی عمل ہے اور ہر جگہ اور ہر نظام کے تحت ادا کی جاسکتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ مسلمانوں کو اسلامی نظام کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی۔ ہماری پیشوائیت نظری اور فکری طور پر اسلامی نظام کی قائل نہیں ہے، جب نجاتِ اُخروی، مرخیاتِ خداوندی اور مرنے کے بعد اعلیٰ مراتب پرستش کے ذریعے حاصل ہونے لگے تو پھر اسلامی مملکت کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی۔ ہماری پیشوائیت اسلامی مملکت کی نہ صرف قائل ہی نہیں ہے بلکہ اسے اسلامی مملکت کی جامع تعریف اس کے فوائد اور اس کے ثمرات کا بھی علم نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ شریعت کے نفاذ کا اور تھیوکریسی کا مطالبہ کرسکتی ہے۔ کیونکہ اس طرح ان کی Value بڑھ جاتی ہے اور اُنہیں حکمرانی، اور اقتدار میں کچھ حصہ مل جاتا ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح بحیثیت ایک عظیم Politician کے مشہور ہوئے، ان کا کارنامہ قیامِ پاکستان بھی ایک سیاسی عمل ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھیں کہ ان کا Forte قانون تھا۔ اُردو کے ایک محاورہ کے مطابق قانون ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا اور ان کی رگ رگ، اور نس نس میں رچا بسا ہوا تھا۔ بظاہر وہ مغربی شخصیت معلوم ہوتے تھے لیکن انہوں نے جو اسلامی ریاست کی Definition کی ہے اس سے بہتر اور اس سے جامع تعریف اور کوئی شخص نہیں کرسکتا۔ عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد، دکن کے طلباء کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے طلباء کے استفادہ جواب میں ارشاد فرمایا تھا ''اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہئے کہ جس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا واحد ذریعہ قرآنِ کریم کے اصولوں واحکام کی اطاعت ہے۔ اسلام میں اَصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے۔ نہ کسی پارلیمان کی نہ کسی شخص یا ادارہ کی۔ قرآن کے احکام ہی سیاست یا معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کی حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے

الفاظ میں قرآنی اصول واحکام کی حکمرانی ہے اور حکمرانی کے لئے آپ کو علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے۔

(اورینٹ پریس بحوالہ روزنامہ انقلاب، لاہور، مورخہ 8 فروری 1942ء)

ارشاد عالی ہے: اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ (7:3) تمہارے رب کی طرف جو نازل ہوا اس کا اتباع کرو اس کے علاوہ دوسرے کارسازوں کا اتباع نہ کرو۔ اس آیہ کریمہ کی تفسیر قائداعظم نے پیش کی ہے۔ اس آیت کی عملی شکل جو قائداعظم نے پیش کی ہے اگر وہ عملی شکل سامنے ہو تو پھر خدا کے علاوہ اور جو من دونہٖ اولیاء میں ان میں سے کسی کا بھی اتباع جائز قرار نہیں پاتا۔ عملی شکل اس کی یہ تھی کہ ایک مملکت، ایک نظام، اس نظام کا ایک مرکز، اس مرکز کا ایک سربراہ، اور اس کے سامنے قرآن، یعنی اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ احکامات، ان احکامات کی نظام کے ذریعے اطاعت، یہ ہے اللہ کی اطاعت، یہ تھا وہ نظام جس میں ''اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ''، عملی شکل میں نافذ تھا۔ اس اسلامی مملکت میں کسی شخصیت کا اتباع نہیں تھا صرف اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کی اطاعت کی جارہی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا بغیر کسی مقصد کے پیدا نہیں کی ہے (38:27) اس دنیا کے تخلیق کرنے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کچھ مقاصد عالیہ رہے (30:8) اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ ہیں۔ ہم سب ان صفات پر ایمان لاتے ہیں لیکن ان صفات کا تقاضہ یہ ہے کہ ان صفات پر عمل کیا جائے۔ اس دنیا کو تخلیق کرنے کی غرض ہی یہ ہے کہ اس کی تمام صفات کمالیہ کا مظاہرہ ہو۔ کوئی مذہب یا کوئی انسان جو خدا کو فاعلِ مختار مانتا ہے انجام کار اس کے علاوہ کوئی دوسری وجہ نہیں بتا سکتا۔ چونکہ تمام صفاتِ خداوندی پر عمل کرنا مقصود تھا اس لئے انسانوں کو بااختیار رکھا گیا ہے کہ وہ صرف خیر کے اکتساب پر مجبور نہ ہوں۔ اگر وہ خیر پر ہی مجبور ہوں تو بہت سی صفات اللہ تعالیٰ کی ایسی رہ جائیں کہ ان کے ظہور کے لئے کوئی محل وموقع نہ رہے۔ مثلاً غفور، حلیم، منتقم کے ظہور کا موقع نہ رہتا۔ اسلامی مملکت کے قائم کرنے سے ایک مقصد عالی یہ حاصل ہوتا ہے کہ اس مملکت کی اساس صفات خداوندی پر ہوتی ہے اور اس مملکت میں صفات خداوندی کے ظہور میں آنے کا محل ومواقع پیدا ہوتے ہیں۔ اس مملکت سے دوسرا مقصد عالی یہ حاصل ہوتا ہے کہ اس مملکت میں مستقل اقدار پر عمل ہوتا ہے۔ صفاتِ خداوندی کو اپنے میں پیدا کرنے اور مستقل اقدار پر عمل کرنے سے، اس مملکت کے شہریوں کی ذات کی نشوونما ہوتی ہے۔ ذات کی نشوونما کرنا ہی مقصد حیات ہے اور یہ صرف اسلامی نظام میں ہی ہوسکتا ہے۔ اسلامی نظام وہ واحد نظام ہے جس میں انسانی جسم اور انسانی جان دونوں کی نشوونما بیک وقت ہوتی چلی جاتی ہے۔

علامہ اقبال نے فرمایا ''مملکت ایک کوشش ہوتی ہے قرآنی نصب العینی اصولوں کو زمان ومکان میں صورت پذیر کرنے کی۔ یہ ایک آرزو ہوتی ہے ان اصولوں کو کسی خاص انسانی ادارہ میں روبہ عمل لانے کی'' اس فقرے سے علامہ کی مراد یہ ہے کہ اسلامی مملکت انسانیت کے بلند مقاصد کو عملی پیکروں میں ڈھالنے کا ذریعہ ہوتی ہے۔ وہ انسانیت کے اُن بلند مقاصد کو جنہیں قرآن نے عطا کیا ہے۔ عملی پیکروں میں ڈھالنے کا ذریعہ بنتی ہے۔

چونکہ زندگی کی موجودہ سطح پر انسان کی ذات کی نشوونما جسم انسانی کے ذریعے ہوتی ہے۔ اس لئے انسانی جسم کی بھی ایک اہمیت ہے اور اس کی پرورش کرنا بھی نہایت ضروری ہو جاتا ہے۔ اس لئے قرآنِ کریم اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے ایسا نظام قائم کرتا ہے جس میں انسان کو اپنی معاشیات کے لئے زیادہ جدوجہد نہ کرنی پڑے۔ روٹی کمانے کی جدوجہد اور اس کے لئے زیادہ وقت صرف کر دینا،، انسانی ذات کی نشوونما کے راستہ میں ایک رکاوٹ بن جاتی ہے۔ اسلامی مملکت اپنے شہریوں کو روٹی کی فکر سے بالکل آزاد کر دیتی ہے تاکہ وہ خود کو بلند مقاصد حاصل کرنے کے لئے وقف کر دیں ان مقاصد کو حاصل کرنے کے بعد انسانی ذات میں نشوونما ہو جاتی ہے۔ قرآنِ کریم نے معاشی مسئلہ یعنی روٹی کمانے کی ذمہ داری کو انفرادی ذمہ داری کی بجائے اجتماعی ذمہ داری قرار دیدیا اور یہ بہت بڑی انقلاب انگیزیات ہے۔

اصل الاصول اور مقصد المقاصد تو ذات کی نشوونما ہے قرآن کریم کے نزدیک اگر عوام روٹی کی فکر میں مبتلاء ہوں تو وہ انسانی زندگی کی سطح حاصل نہیں کر سکتے۔ اس لئے ایک ایسی مملکت ہونی چاہئے کہ جس میں لوگ حصولِ رزق کی فکر سے آزاد ہو کر اپنی توانائیوں اور صلاحیوں کو زندگی کے اعلیٰ مقاصد کے لئے وقف کر دیں۔ اسلامی نظام ربوبیت شہریوں کو روٹی کی فکر سے آزاد کر کے انسانیت کی سطح پر لے آتا ہے۔ اسلامی نظام خدا کی تمام ذمہ داریوں کو اپنے سر لے لیتا ہے جس کے قوانین کو عملاً جاری کرنے کے لئے وہ وجود میں آتا ہے طاغوتی نظام خود اور اس میں رہ کر رزق کی جدوجہد انسانی ذات کی نشوونما میں ایک رکاوٹ بن جاتی ہے۔

اب ہم ان مقاصد اعلیٰ کا تذکرہ کرتے ہیں جن کو حاصل کرنے کے لئے اسلامی مملکت وجود میں آتی ہے۔ ان میں سے چند کا ذکر ہم نے کر بھی دیا ہے۔ پہلا مقصد صفات خداوندی کو دنیا میں ٹھوس شکل دے کر نافذ کرنا ہے۔ دوسرا مستقل اقدار پر عمل کرنا ہے۔ تیسرا مقصد ان دونوں کے ذریعے انسانی ذات کو نشوونما دینا ہے تاکہ وہ جسم کی موت کے ساتھ مر نہ جائے۔ بلکہ وہ زندہ رہتی ہے اور اگر وہ مستحکم اور مضبوط ہو گئی ہو، تو وہ مزید اعلیٰ درجات حاصل کرتی چلی جاتی ہے حضور کے دور میں ریاستِ مدینہ میں ان تینوں چیزوں پر عمل ہوا اور اس کے درخشندہ نتائج سب کے سامنے اس دنیا میں ظہور پذیر ہوئے۔

ریاستِ مدینہ کا چوتھا مقصد ربوبیت ہے ارشادِ عالی ہے: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ (11:6) ترجمہ: زمین پر کوئی دابہ نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر نہ ہو۔ وہ ہی جانتا ہے جہاں وہ ٹھہرتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داریاں اسلامی نظام پوری کرتا ہے۔ جمہوریت اور سیکولر حکومتوں میں حکومت عوام کو جواب دہ ہوتے ہے لیکن اسلامی نظام میں، وہ نظام اللہ تعالیٰ کو جواب دہ ہوتا ہے۔

اس آیۂ کریمہ میں دو باتیں بڑی عظیم بیان فرمائی گئی ہیں قرآن کریم نے رزق کی ذمہ داری انفرادی کی بجائے اجتماعی قرار دے دی ہے۔ رزق اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دیا۔ اب تقسیم رزق کی ذمہ داری انسانوں نے خود اپنے پر لے لی اگر اللہ تعالیٰ کے معاشی قوانین کے مطابق رزق کی تقسیم کی گئی تو ہر متنفس کو رزق ملے گا اس آیت میں دو نادر باتیں یہ کہی گئی ہیں کہ بچے کو ماں

کے رحم میں بھی رزق ملے گا اور اللہ تعالیٰ رحم مادر کی ہر سٹیج کو جانتا ہے وہ ہر نطفہ کے مستقر اور مستودع سے واقف ہے ہر بچے کو اپنے مستقر اور مستودع کے مطابق رزق ملے گا۔ پہلے ایک جرثومہ رحم مادر میں ہوتا ہے جس کا وہاں استقرار ہوتا ہے۔ پھر وہ جرثومہ وہاں نشوونما حاصل کرنا شروع کرتا ہے اس کی نشوونما کی مختلف منازل ہوتی ہیں۔۔ ہر منزل میں اس کو بدلی ہوئی غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ بچہ رحم مادر میں تین جھلیوں میں محفوظ ہوتا ہے۔ وہ انہی کی حفاظت میں ہوتا ہے کہ اس کا باہر کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ (55:29) ترجمہ زمین و آسماں میں جو کچھ ہے وہ اللہ سے سوال کرتا ہے اور وہ ہر روز نئی شان میں ہوتا ہے۔ ہمارے مفسرین مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات کو قرار دیتے ہیں اور ترجمہ کرتے ہیں کہ اللہ روز ایک شان میں ہوتا ہے کیا خدا کے لئے یہ بات ذہن میں آسکتی ہے۔ مفسرین کا یہ ترجمہ ہی غلط ہے۔ ھو کا مرجع ذات باری تعالیٰ نہیں ہے بلکہ اس کا مرجع جو کچھ زمین و آسمان میں سے ہے۔ ماں کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ ہر روز نئی شان میں ہوتا ہے اور اپنے لئے بدلی ہوئی غذا کا سوال کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے حال کے مطابق اس کو رزق عطا کرتا ہے۔

اس آیۂ کریمہ میں دوسرا نکتہ دابۃ کا ہے۔ قرآن کریم نے یہاں دابۃ کا لفظ استعمال کیا ہے جو بڑا جامع لفظ ہے۔ دابۃ ہر وہ جاندار ہوتا ہے۔ جو حرکت کرتا ہو، بالخصوص جو رینگ کے حرکت کرتا ہو۔ جدید عربی میں Tank کو دابۃ کہتے ہیں۔ آپ ٹینک کے چلنے کو ذہن میں لائیں دابۃ کا مفہوم واضح ہو جائے گا۔ حضرت عمرؓ سے جب کسی نے کہا کہ یہ آپ کی دن رات کی محنت ہے کہ آج مملکت میں ہر فرد کو رزق مل رہا ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ قرآن نے صرف انسانوں کے رزق کی ذمہ داری نہیں لی ہے، اس نے تو ہر ذی حیات کے رزق کی ذمہ داری لی ہے۔ اُنہوں نے فرمایا کہ فرات کے کنارے پر بھی کوئی کتا بھوکا مر گیا تو عمرؓ سے اس کی باز پرس ہوگی۔

سورۃ الشوریٰ میں ارشادِ عالی ہے وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ (42:29) ترجمہ: اور اس کی ایک نشانی ہے بنانا آسمانوں اور زمین کو اور جس قدر بکھیرے ان میں جاندار اور وہ جب چاہیے ان سب کو اکٹھا کر سکتا ہے (ترجمہ شیخ الہند)۔ قرآن کریم زمین اور کروں کے پیدا کرنے کو اپنی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیتا ہے۔ اسی طرح ان کُروں میں جو دابہ ہیں وہ بھی اللہ کی نشانی ہیں۔ پھر یہ بھی ارشاد ہوتا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کُروں کو جمع کر دے اور ان کے درمیان رسل و رسائل پیدا کر دے۔ قرآن کریم کے یہ دعاوی پورے ہو رہے ہیں اور ہم سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اس دنیا کے انسان دوسرے کُروں پر جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرے کسی کُرے کے لوگ ہمارے ہاں آجائیں۔ یہاں جو بات زیر غور ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کُروں میں جو دابہ ہیں وہ ان کو بھی رزق فراہم کر رہا ہے اور ان کی بھی ربوبیت کر رہا ہے۔ زیر غور آیت میں بھی فی الارض کے الفاظ آتے ہیں اس سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ دیگر کُروں کے دابہ کو رزق فراہم نہیں ہو رہا۔ یہاں فی

الارض کے الفاظ اس لئے استعمال ہوئے ہیں کہ سابق سے انسانوں کا ذکر چلا آرہا ہے۔لیکن اس ذکر سے دابۃ کی تحدید مقصود نہیں ہے۔

سورہ الحجر میں ارشاد ہے وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُہٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُہٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ (15:21) ترجمہ: ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں اور ہم ان کو ایک معینہ اندازہ کے مطابق اتارتے ہیں۔زمین میں انسانوں کے لئے رزق فراہم کرنے کی صلاحیت تو بے اندازہ ہے لیکن اس میں سے رزق کی پیداوار فطرت کے قوانین کے مطابق ہوتی ہے۔اگر ایسا ہوتا کہ انسانیت کے شروع دور میں زمین اپنے سارے خزانے اُگل دیتی تو آنے والی نسلیں بھوکی مرجاتیں۔جو لوگ صاحبِ اقتدار اور طاقتور ہوتے وہ سارے خزانے نکال کر اپنے قبضہ میں کر لیتے۔قرآن کریم نے جو الفاظ ''بِقَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ'' استعمال کئے ہیں یہ وحی الٰہی ہی کر سکتی تھی۔زراعت کے قوانین مقرر ہیں۔ان قوانین کا علم جس قدر بڑھتا چلا جائے گا وہ قدرِ معلوم ہوتا جائے گا۔اسی نسبت سے زمین کے خزانے بھی زیادہ معلوم ہوتے جائیں گے۔آج سے سو سال پیشتر ایک ایکڑ زمین سے 8 من غلہ برآمد ہوتا تھا اب غالباً 80 من غلہ حاصل ہوتا ہے۔جو قومیں زراعت کے علم کو زیادہ سے زیادہ حاصل کریں گی۔اس کے مطابق ان کی زراعت میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے رزق کی فراہمی کی ذمہ داری لی ہے۔اگر رزق کی تقسیم قوانینِ خداوندی کے مطابق ہوگی تو سب کو رزق ملے گا۔یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ رزق کی تقسیم اپنے قوانین کے مطابق کریں اور توقع یہ کریں کہ سب کو رزق ملتا رہے۔یہ بات البتہ یاد رکھیں کہ جس رزق کی تقسیم قانونِ خداوندی کے مطابق نہیں ہوتی،اس رزق کا ایک ایک لقمہ حرام ہوتا ہے۔

ریاستِ مدینہ کا پانچواں مقصد تکریمِ انسانیت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اکثر مخلوقات پر فضیلت دی ہے (17:70) حُسنِ صوت،نطق،تدبیر عقل اور وہ ہوش وحواس عنایت فرمائے جن سے دنیوی اور اُخروی مفاد ومنافع کو اچھی طرح سمجھتا ہے۔اور نیک وبد میں تمیز کرتا ہے۔اس کے لئے ہر طرف ترقی کی راہیں کشادہ ہیں۔دوسری مخلوقات کو قابو میں لاکر اپنے کام میں استعمال کرتا ہے۔خشکی میں جانوروں کی پشت پر یا دوسری طرح طرح کی گاڑیوں میں سفر کرتا ہے۔سمندروں کو کشتیوں اور جہازوں کے ذریعے بے تکلف طے کرتا چلا جاتا ہے۔قسم قسم کے عمدہ کھانے،کپڑے،مکانات اور دنیوی آسائشوں سے فائدہ اٹھاتا ہے۔یہ بھی انسان کی ہی عزت افزائی ہے کہ اس دنیا کی ہر چیز اس کے لئے مطیع وفرمانبردار کردی گئی ہے۔اور جس چیز کو انسان تسخیر کرنا چاہتا ہے وہ اسے تسخیر کر لیتا ہے۔دریاؤں کے سینے چیرے یا کوہستان کی چوٹیوں کو سر کرے،اس کے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔اس کے قالب خالی میں اللہ نے ہر چیز کی صلاحیت ودیعت کردی ہے۔

انسان کا انسان ہونے کی وجہ سے تکریم واحترام واجب ہے (17:70) انسان کا انسان ہونا،اسے تمام انسانوں کے برابر عزت دیدینا ہے۔یہ بنیادی چیز ہے کہ کسی انسان میں انسان ہونے کی وجہ سے کوئی فرق نہ کیا جائے پیدائشی نسبت یکساں

واجب الاحترام سمجھی جائے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہر ایک کے مدارج اس کے اعمال کے مطابق ہوں گے (6:133)، یہ اسلامی مملکت کا فرض ہے کہ اس میں ہر انسان کی عزت کی جائے۔ ایک آدمی کی جان کی قیمت تمام انسانیت کی جان کے برابر ہے۔

اسلامی مملکت کے ذریعے انسان کو جو خاص مقام حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے کاموں میں شریک ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کا رفیق اعلیٰ ہوجاتا ہے۔ صلح حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ کو اللہ کا ہاتھ قرار دیا گیا (48:10) جنگ بدر میں فرمایا کہ تم کفار کو قتل نہیں کر رہے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ خود ان کو قتل کر رہا تھا۔ تم تیر نہیں چلا رہے تھے بلکہ اللہ تیر چلا رہا تھا (8:17) انسان ہی ہے جو اپنے میں صفاتِ خداوندی پیدا کرتا ہے۔ اپنی خودی مضبوط کرتا ہے اور مرنے کے بعد بھی اعلیٰ مراتب حاصل کرتا چلا جاتا ہے۔ لیکن یہ مراتب صرف اسلامی نظام میں زندگی کرنے کے بعد حاصل ہوسکتے ہیں۔ طاغوتی نظام، نفس کی پرورش میں ایک رکاوٹ ہوتا ہے۔

اسلامی نظام کے قیام سے جو چھٹا مقصد حاصل ہوتا ہے وہ عدل ہے عدل کا لفظ اس قدر جامع اور وسیع المفہوم ہے کہ یہ بیان کرنا کوئی غلط نہیں ہوگا کہ خارجی کائنات ہو یا انسان کی اپنی دنیا، سب اسی نقطہ کے گرد گردش کرتے ہیں قرآنِ کریم نے عدل پر بہت زور دیا ہے۔ قرآنِ کریم اپنے متبعین کی ذہنیت ہی اس طرح وضع کرتا ہے کہ ان کی زندگی کے ہر گوشے سے عدل کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے۔ عدالتی عدل تو اس کا ایک گوشہ ہے ورنہ عدل تو ساری کائنات میں رواں وجاری ہے ارشاد ہوتا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (5:8) اے ایمان والو! اس نظام کا خاصہ یہ ہے کہ تم دنیا میں عدل وانصاف کے نگراں ہو۔ تم عدل کے اس درجہ نگراں بنو کہ تمہیں کسی قوم کی دشمنی بھی اس بات پر نہ اُکسائے کہ تم اس کے ساتھ عدل نہ کرو، ہمیشہ عدل کرو۔ دوست دشمن ہر ایک کے ساتھ عدل کرو عدل کرنے کی تمہاری یہ روش تقویٰ کے قریب ہے۔ اس لئے ہمیشہ اس روشنی کی پابندی کرو۔ اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔ یاد رکھو کہ عدل کا مطلب ہے کہ کسی شخص کے ساتھ بغیر افراد وتفریط کے وہ معاملہ کرنا جس کا وہ واقعی مستحق ہو۔ عدل وانصاف کی ترازو ایسی صحیح اور متوازن ہونی چاہئے کہ عمیق سے عمیق محبت اور شدید سے شدید نفرت بھی اس کے دونوں پلوں میں سے کسی پلے کو جھکا نہ سکے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: الملك يبقىٰ مع الكفر والا يبقىٰ مع الظلم حکومتیں کفر سے تو ممکن ہیں کہ باقی رہ جائیں لیکن اگر حاکم ظالم ہوں تو اُنہیں دوام حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ظلم ایک ایسی چیز ہے جس کا اثر اس دنیا میں جلدی ظاہر ہوجاتا ہے۔ آج کی موجودہ دنیا میں جنگیں، اضطراب، بے اطمنانی، سیاسی افراتفری نیز اجتماعی، اخلاقی اور اقتصادی بحران اس حقیقت کو اچھے طریقے سے واضح کر رہے ہیں۔ اسلامی نظام کا ساتواں مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم سے پیشتر ہر جگہ انفرادی زندگی اور انفرادی نجات کا تصور عام تھا۔ مذہبی دنیا میں ہر فرد صرف اپنی نجات کا طلبگار تھا اس سے خودغرضی کی عادت

پیدا ہوتی تھی۔ اجتماعی زندگی اور انسانیت کا تصور کسی جگہ نہیں تھا۔ اس انفرادیت کی ذہنیت کا نتیجہ نظام سرمایہ داری ہے جس میں ہر انسان دوسرے انسان کا خون پینے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ دنیا اس جہنم سے گزری تھی کہ قرآنِ کریم نے انسانوں کو ایک نیا نعرہ دیا جس نے وحدت انسانیت کی پوشیدہ حقیقت کو اس طرح کھول کے بیان کیا کہ ہر فرد کو دوسرے افراد کی پرورش و تربیت میں خود اپنی ذات کی پرورش نظر آنے لگی۔ قرآن کریم نے کہا جو نظام افراد معاشرہ کی ضروریاتِ زندگی کا کفیل اور انسانوں کی پوشیدہ صلاحیتوں کی نشوونما کے اسباب و ذرائع فراہم نہ کرے اس کو دنیا میں قائم رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ قرآن کا یہ ایک ایسا نعرہ تھا جس کی وجہ سے دنیا کا ہر قارون زمین میں دھنس گیا اور اس کی دولت کے تمام خزانے لوگوں کے لئے کھل گئے۔ قرآن نے نفس انسانی کی پرورش کا جو طریقہ بیان کیا ہے اس کو تسلیم کر لینے کے بعد کوئی شخص بھی سرمایہ داری کا حامی نہیں ہوسکتا۔ اس میں تو یہی ہے وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۙ قُلِ الْعَفْوَ ؕ (2:219) یہ پوچھتے ہیں کہ ہمیں کس قدر مال دوسروں کی ضروریات کے لئے اسلامی نظام کی تحویل میں دینا ہوگا۔ کہا کہ جس قدر بھی تمہاری اپنی ضروریات سے زائد ہے سب کا سب نظام کو دے دو۔ کیونکہ اس نظام میں تمام ضروریاتِ زندگی، نظام کی طرف سے پوری ہوتی ہیں۔ ہر فرد زیادہ سے زیادہ محنت کر کے کم سے کم اپنی ضروریات کے لئے رکھ لے، اس نظام کے حوالہ کر دے۔

سورۃ الاعراف میں رسول اللہ کو یہ بھی حکم دیا گیا کہ: خُذِ الْعَفْوَ (7:199)، جس کے پاس ضرورت سے زیادہ دولت ہو وہ اس سے لے لو۔ ہمارے ہاں آج کل Dams بنانے کے لئے روپوں کی ضرورت ہے۔ اسلامی نظام کے سربراہ کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ ضرورت کے وقت لوگوں سے ان کی ضرورت سے زیادہ مال لے کر اس کو اسلامی نظام میں Insert کر سکتا ہے۔

دنیا میں فرسودہ نظریات اور باطل نظام ختم ہو رہے اور ان کی جگہ صحیح نظام قائم ہو رہے ہیں۔ یہ خدا کے کائناتی قانون کے مطابق ہو رہا ہے اس کو کشمکش حق و باطل کہتے ہیں۔ لیکن اس تبدیلی کی رفتا بہت سست ہوتی ہے اس کا ایک ایک دن ہمارے شمار سے ہزار ہزار سال کا ہوتا ہے (22:47) لیکن اگر انسان چاہے کہ خدا کا یہ قانون ہمارے حساب و شمار کے مطابق نتائج دینے لگے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ انسانوں کی ایک جماعت اٹھے اور قانونِ خداوندی سے تعاون کرے، اور اس کی مددگار بنے۔ اگر انسان خود قانونِ خداوندی کی مدد کرتا ہے تو اس کا قانون بھی انسانوں کی مدد کرنے لگ جاتا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ (47:7) اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اس طرح غلط نظام دنوں میں ختم ہوسکتا ہے اور اسلامی نظام اس کی جگہ قائم ہوسکتا ہے۔ تحریکِ طلوعِ اسلام ساری دنیا میں واحد تحریک ہے جو خلافتِ راشدہ کے بعد سے پہلی مرتبہ اقامتِ دین کے لئے اٹھی ہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس تحریک کا ساتھ دیں کیونکہ غیر اسلامی نظام میں بخوشی زندگی بسر کرنا جرم ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بچوں کا صفحہ

وعدہ پورا کرو

آفاق نے دوپہر کو کچھ دیر آرام کرنے کے بعد غسل خانے کا رخ کیا۔ نہایا دھویا اور صاف کپڑے پہنے۔ آج قیصر نے اس کے ہاں آنے کا وعدہ کر رکھا تھا اس لئے آفاق کو اپنے دوست کے آنے کے خیال سے بہت خوشی ہو رہی تھی اور وہ دل ہی دل میں بہت سی باتیں اس کے ساتھ کرنے کو سوچ رہا تھا۔ اس نے اپنی امی سے کہہ کر تین چار چیزیں کھانے کے لئے منگوائیں اور خود برآمدے میں اپنے دوست کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ اس نے گھڑی باندھ رکھی تھی۔ قیصر نے پانچ بجے آنے کا کہا تھا۔ بس پانچ منٹ باقی تھے۔ آفاق ایک نظر گھڑی پر ڈالتا تو دوسری نظر اس کی سامنے سڑک پر جاتی کہ اب قیصر آیا کہ آیا۔ پانچ منٹ گزر گئے مگر ابھی قیصر نہیں پہنچا تھا۔ خیر دو تین منٹ تو اوپر ہو ہی جایا کرتے ہیں، آفاق نے سوچا اور نظریں سامنے ڈالے کرسی پر بیٹھا رہا۔ مگر پانچ منٹ اور گزر گئے۔ گھڑی کی سوئی اپنی رفتار سے آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی۔ اب آفاق کو کچھ بے چینی سی ہونے لگی۔

وہ سوچنے لگا: ''قیصر کیوں نہیں آیا۔ اسے اب تک آجانا چاہئے تھا۔ اس نے پانچ بجے پہنچنے کا وعدہ کیا تھا۔۔۔ خیر ابھی آجائے گا۔ مجھے پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ کوئی وجہ ہوگئی ہوگی جو یہ دیر ہوئی۔''

آفاق اِدھر اُدھر ٹہلتے ہوئے اپنا دل بہلانے لگا۔ پندرہ منٹ گزر گئے۔ اب آفاق گھر کے باہر نکل آیا۔۔ شاید دور سڑک سے قیصر آتا ہوا نظر آجائے مگر قیصر کا تو کہیں دور تک کوئی پتہ نہ تھا۔ بے چارہ مایوس ہو کر واپس آ گیا۔

انتظار کی حالت بڑی تکلیف دہ ہوتی ہے۔ آفاق نے اندر باہر کئی چکر لگا ڈالے۔ وقت گزرتا گیا اور پانچ سے چھ بج گئے۔ آفاق نے کتنے شوق سے کھانے پینے کی یہ سب چیزیں منگوائی تھیں۔ خیال تھا کہ دونوں دوست اکٹھے مل کر کھائیں گے تو بہت لطف آئے گا مگر قیصر نے تو حد ہی کر دی۔ سب کچھ غارت ہو گیا۔

اب آفاق کو غصہ آ گیا تھا۔ اچھا دوست ہے، وعدہ کیا اور پورا نہ کیا اور میں اس کے انتظار میں خوار ہو رہا ہوں۔ چھوٹی بہنوں جویریہ اور ماریہ نے سیر پر جاتے ہوئے کئی بار کہا کہ ساتھ چلو لیکن میں نہ گیا اور ابا جان کو جانا پڑا۔ قیصر نہ تو خود آیا نہ ہی کوئی اطلاع دی کہ میں فلاں وجہ سے نہیں آسکوں گا۔ آفاق اسی طرح بڑبڑاتا رہا۔

اِدھر اس کی امی کو بھی پتہ چل گیا کہ آفاق کا دوست نہیں آیا۔ وہ اس کے پاس آ گئیں اور پوچھنے لگیں:

''کیا قیصر نے اپنے نہ آسکنے کی کوئی اطلاع بھجوائی ہے؟''

آفاق غصہ سے بولا:

''امی جان، اطلاع کہاں! مجھے قیصر پر بہت غصہ آ رہا ہے۔ اس نے سکول میں مجھ سے پکا وعدہ کیا کہ میں ضرور آؤں گا اور اب نہیں آیا۔۔ میں اب کبھی اس کے وعدے پر اعتبار نہ کروں گا۔''

امی بولیں: ''بیٹا! یہ تو ٹھیک ہے کہ قیصر نے وعدہ توڑ کر اچھا نہیں کیا۔ اگر اس کے یہاں آنے میں کوئی رکاوٹ پڑ گئی تھی تو تمہیں اس کی اطلاع ضرور دیتا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس نے وعدے کی اہمیت کو سمجھا ہی نہیں یا اس کو یہ بتایا ہی نہیں گیا کہ وعدہ پورا کرنا کس قدر ضروری ہوتا ہے۔''

''اور کیا؟ امی جان!'' آفاق بولا۔

امی بولیں:

''آفاق بیٹے! تمہیں اس پر ناراض ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اب تو تمہارا فرض یہ ہے کہ اپنے دوست کو بڑی نرمی اور ہمدردی کے ساتھ بتاؤ کہ کسی کے ساتھ جب کوئی وعدہ کرو تو اس کو ہر حالت میں پورا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بتایا ہے کہ وعدہ کی پابندی کرو۔ تمہارا دوست جب یہ بات سمجھ جائے گا تو اُمید ہے کہ آئندہ ایسا نہیں کرے گا۔ اس طرح تم دونوں کی دوستی میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

آفاق نے اپنی امی کی بات پر دھیان دیتے ہوئے جواب دیا: ''اچھا امی جان! میں اپنے دوست کو وعدے کا پابند بنانے میں مدد دوں گا۔''

''شاباش بیٹا شاباش! یہ ہوئی نا بات!'' امی نے آفاق کو پیار سے کہا۔

ہمدردی

ٹہنی پہ کسی شجر کی تنہا
بلبل تھا کوئی اُداس بیٹھا

کہتا تھا کہ رات سر پہ آئی
اُڑنے چگنے میں دن گذارا

پہنچوں کس طرح آشیاں تک
ہر چیز پہ چھا گیا اندھیرا

سُن کر بلبل کی آہ و زاری
جگنو کوئی پاس ہی سے بولا

حاضر ہوں مدد کو جان و دل سے
کیڑا ہوں اگرچہ میں ذرا سا

کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری
میں راہ میں روشنی کروں گا

اللہ نے دی ہے مجھ کو مشعل
چمکا کے مجھے دیا بنایا

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

(علامہ محمد اقبالؒ)

ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(قسط نمبر 22)

دو قومی قرآنی نظریہ پر مطالبۂ پاکستان

چوتھا باب:

ارتقائی عمل میں انسانی ذات کے مقام کے حصول پر علم کا کردار

اب تک ہم نے دیکھا ہے کہ قرآن کے مطالعے کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ جو مباحث مقالہ میں پیش کیے گئے، اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی کہ علم النفسیات میں انسان کا حیوان سے ارتقاء عقل کی رو سے ہوا، اس لئے انسان کی منطقی تعریف ''بطور عاقل حیوان'' کے سامنے آتی ہے۔ حیوانی انسان کو احساس کے علاوہ جسے مقالے میں احساس کے عنوان سے واضح کیا جا رہا ہے۔ ارادہ عقل سے بھی ودیعت کیا گیا ہے۔ جب انسان عقل بالقوت یعنی جبلتوں، ہیجانات اور عادتوں کو، عقل کے ذریعے جذبات کی شکل میں منتقل اور انتخاب کرتا ہے تو اسی عقل فعال کی بدولت اس کا حیوان سے انسان کی سمت ارتقاء ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ عقل فعال (جو اسے حیوان سے علیحدہ کرتی ہے) سے کام نہیں لیتا تو وہ منطق کی رو سے حیوان کے درجے میں ہی رہتا ہے اور اس طرح ارتقاء سے محروم رہتا ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ تمام انسانوں کو اس علم سے نکل کر تعقل کی شکل میں ایک اعلیٰ و ارفع درجے کا علم حاصل کرنے کی صلاحیت بھی عطا کی گئی ہے لیکن اس بات کا احساس بہت کم لوگوں کو ہو پاتا ہے اور ہو بھی تو اس کی اثر انگیزی بہت محدود رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانوں کی اکثریت اسی حیوانی قسم کے سطحی علم پر ہی مطمئن دکھائی دیتی ہے۔ اس لیے انسانوں کی اکثریّت حیوانی مقام پر ہے۔

انسانی طبیعی زندگی کے ارتقاء کے سفر میں فہمِ علم کی اہمیت:

ٹھیک ہے کہ انسان ایک حیوان بھی ہے۔ لیکن یہ کہنا ٹھیک نہیں کہ انسان صرف حیوان ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ انسان صرف حیوان ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم ان تمام خصائص کے وجود کا انکار کرتے ہیں، جو صرف انسان کے اندر ہیں اور باقی حیوانات میں سے کسی میں موجود نہیں۔ اس حقیقت کا اعتراف کرنا نہایت ضروری ہے کہ انسان ایک حیوان تو ہے، لیکن اس کی ہستی کی انفرادیت کی بنیاد وہ خصوصیات ہیں، جن میں کوئی اور حیوان اس کا شریک نہیں۔ فطرت میں انسان کا مقام اور اس مقام کی بلند ترین اہمیت، انسان کی حیوانیت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی انسانیت کی وجہ سے ہے۔ انسان بالکل ایک نئی قسم کا حیوان ہے۔ ایک ایسا حیوان، جس میں اگرچہ طبیعی ارتقاء کا سلسلہ بھی جاری ہے لیکن اس باب میں ایک بالکل نئی قسم کا

ارتقاء بھی نمودار ہو رہا ہے، جو انسانی ذات کی شکل میں نشوونما کا متمنی ہے۔ یہی نشوونما یافتہ انسانی ذات شرفِ انسانیت کی موجب ہوتی ہے۔

انسان کی ایک بنیادی خصوصیت اُسے علم کی قوت سے ودیعت کرنا ہے۔ علم میں سمع و بصر انسانی حواس کے نمائندے ہیں، جو خارجی دنیا کی معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔ یہ معلومات انسانی قلب یا فواد تک پہنچتی ہیں، اور اس سے انسان اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے لئے کچھ فیصلہ کرے۔ انسانی عِلم کا تسلسل سے جائزہ لینے کے لئے آغاز میں ہم انسان کے ارتقاء کا ذکر اُس وقت سے کر رہے ہیں، جب کہ وہ ابھی قابل ذکر شے نہ تھا:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا (76:1)

''کیا انسان پر وہ زمانہ نہیں گزر چکا، جب یہ قابل ذکر شے نہ تھا۔''

اسی ارتقاء کے سلسلے میں جب ہم اس بات کا بھی جائزہ لیتے ہیں کہ حیوانی زندگی پر پہنچ کر اِس کی ایک شاخ اوپر کو ابھری۔ یہ پیکر انسانی کی شاخ تھی۔ اس میں یہ تمام مراحل شامل ہیں یعنی پیکر حیوانی کو بتدریج سنوارا گیا۔ اسے حشو و زوائد سے پاک کر کے اس کے لطیف و نازک جوہروں میں جلا دی گئی۔

الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝ (82:7-8)

''وہ ذات جس نے تجھے پیدا کیا۔ پھر (ہر طرح سے) درست کیا پھر (اعضاء و جوارح میں) تناسب پیدا کیا اور اس کے بعد اپنی مشیت کے مطابق تمہیں مناسب پیکر عطا کر دیا۔''

اس طرح، پیکر انسانی کو احسنِ تقویم کہا یعنی بہترین توازن و تناسب لیے ہوئے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ (95:4)

اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے انسان کو بہترین ہیئت (پیکر) میں پیدا کیا جس میں توازن و تناسب حسین ترین مقام تک پہنچ گیا۔

اس احسنِ تقویم کی خصوصیت قرآن نے یوں بیان کی ہے۔

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ (32:9)

''پھر اسے درست کیا اور اس میں (خدائی) توانائی کا شمہ ڈالا۔''

قرآن نے اس عمل (نفخ روح) کو حیوانیت سے الگ ایک ممتاز خصوصیت کی طرف راہنمائی کر دی، جس سے یہ مخلوق حیوان سے الگ انسان کے مقام تک پہنچ گئی۔ اس عمل کے ذریعے قرآن سے راہنمائی ملتی ہے کہ انسان صیغہ غائب سے صیغہ مخاطب میں ارتقاء کرتے ہوئے اس مقام تک پہنچ گیا، جہاں وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ (32:9)

''اور اس نے تمہارے لیے سمع، بصر اور فواد (کو ذرائع علم) بنایا''۔

کہنے کو تو درج بالا تین لفظ ہیں، لیکن حقیقت کی جستجو کی پوری کی پوری علم کی دنیا ان تین گوشوں میں سمٹ آئی ہے۔ سمع و بصر انسانی حواس کے نمائندے ہیں جو خارجی دنیا کی معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔ یہ معلومات انسانی قلب یا فواد تک پہنچتی ہیں اور اس سے انسان اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے لیے کچھ فیصلہ کرے۔ اس کے اس طرح فیصلے کرنے کی صلاحیت کو خدائی توانائی کی بدولت اس کا اختیار و ارادہ کہتے ہیں۔ یہ ہے وہ سب سے بڑا امتیاز جو انسان کو حیوانی زندگی سے الگ کرتا ہے۔

وعلم کی صلاحیتوں کے ضمن میں، قرآن سے ہمیں درج ذیل صلاحیتوں کی بھی راہنمائی حاصل ہوتی ہے جو انسان کو دیگر حیوانات سے متمیّز اور ممتاز کرتی ہیں۔

عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿۴﴾ (55:4) ''اسے بولنا سکھایا۔''

یعنی انسان کو قوتِ گویائی عطا کی ہے تاکہ وہ اپنے علم کو بیان کر سکے۔ اسی قوتِ بیان ہی کے نتیجہ میں انسان اس قابل بھی ہوا کہ اُس میں تحریر کی قوت۔ ہی ودیعت کی گئی۔

الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿۴﴾ (96:4) ''جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا'' یعنی انسان کو تحریر کی صلاحیت دی۔

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ﴿۵﴾ (96:5)

''انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا'' یعنی انسان میں حصول علم کی استعداد و دیعت کر دی۔

ڈیکارٹ کا کہنا ہے کہ کائنات کی ہر شے مقررہ قوانین کے تحت حرکت کرتی ہے۔ اس لئے ان قوانین کو سمجھ کر ہم کائنات کی قوتوں پر قابو پا سکتے ہیں۔ انسان میں یہ صلاحیتیں مضمر طور پر رکھ دی گئی ہیں، جنہیں وہ اپنی محنت اور کاوش سے بروئے کار لائے گا۔ یعنی یہ نہیں کہ ہر انسانی بچہ پیدائش کے ساتھ عالم فاضل اور صاحبِ قلم ولسان ہوتا ہے۔ وہ تو بالکل کورا ہوتا ہے، البتہ اس میں ایسا بننے کی صلاحیت ہوتی ہے جس کے لیے محنت اور کاوش درکار ہوتی ہے۔

اس حقیقت کے اظہار کے لیے آدم کی خصوصیت کا قرآن نے ذکر کیا ہے۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (2:31)

اور اللہ نے آدم (یعنی نوعِ انسانی) میں تمام اشیائے کائنات کی صفات جان لینے کی علم کی صلاحیّت رکھ دی کہ وہ کس قانون کے تحت کام کرتی ہیں، تو آدم نے چیزوں کی کیفیّت، ماہیّت اور خصوصیات جان لیں۔

الْاَسْمَآءَ: صفت، اِس کے معانی وصف، اوصاف، نام یعنی وہ علامت ہے جس سے شے کی اصل و ماہیت پہچانی جائے۔ نام سے مسمّٰی کے متعلق معلوم ہو جاتا ہے۔

یہاں آدم کو حیوان سے ممتاز کرنے کی اس صفت کا ذکر کیا گیا ہے یعنی یہ کہ آدم کو اسماء (Names) کا علم دیا گیا۔ اس میں ایک بہت بڑی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ علم کا پہلا درجہ حواس کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ جس میں سمع و بصر کا

ذکر آچکا ہے۔ سپائی نوزا نے اِس علم کو حسی، جبلی اور غیر استدلالی بتایا ہے۔

لیکن اس سے آگے علم کا وہ درجہ ہے جسے مدرکات سے تصورات متعین کرنے کا عمل کہتے ہیں۔ یہ حصہ حیوانی نہیں بلکہ انسانی سطح زندگی پر حاصل ہوسکتا ہے۔ سپائی نوزا نے اِس علم کو عقلی، فکری اور استدلالی بتایا ہے۔ اس لیے کہ جہاں تک تصورات اور اسماء کا تعلق ہے تو کوئی تصور ذہن میں نہیں آسکتا جب تک اس کے لیے لفظ (اسم) موجود نہ ہو اور کوئی لفظ بغیر تصور کے وجود پذیر نہیں ہوسکتا۔ اِس میں علم کے دونوں تجربی اور تصوری نظریات کا ذکر بھی آجاتا ہے۔ انسان کو حیوان سے ارتقاء انہی علوم کی صلاحیت لئے عقل کے استعمال کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس عقل کو قرآن میں یہاں فواد اور پھر حکمت کی اصطلاح سے بھی متعارف کرایا جاتا ہے۔

اَلْاَسْمَآءَ کُلَّھَا (2:31): تمام کی تمام طبیعی اشیائے کائنات کا صفاتی علم، جو طبیعی قوانین کے تحت سرگرم عمل ہیں۔ اِس سے مقصود طبیعی علم کے ذریعے زیادہ سے زیادہ مادیت کو مسخر کرنا ہی مقام آدم ہے۔ کُلَّھَا کہہ کر انسانی کے علم کی وسعتیں بتائی گئی ہیں۔ علم وجہ شرف انسانیت ہے۔ کسی ایک دور میں بڑے سے بڑا سائنس دان بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس نے سب کچھ معلوم کر لیا ہے۔ کائنات کی وسعتوں کے مقابلے میں ابھی انسان کا علم بہت کم ہے۔ کُلَّھَا بتا رہا ہے کہ انسان نے ایک دور میں طبیعی قوانین کی رو سے زندگی بسر کرنے والی اشیاء کے بارے میں سب کچھ معلوم کر لینا ہے۔ نظر آرہا ہے کہ آدم کے لیے، تو ابھی بڑے وسیع میدان اور آنے والے ہیں ۔ جب تک انسان یہ کُلَّھَا کا مقام حاصل نہیں کرلے گا سلسلہء آدم ختم نہیں ہوگا، ورنہ خدا کی یہ پیدائش بے کار، اور عبث رہ جائے گی۔ کُلَّھَا مقام آدم ہے۔

یہاں آدم کو حیوان سے ممتاز کرنے کی اس صفت کا ذکر کیا گیا ہے، یعنی یہ کہ آدم کو عاقل حیوان کے مقام پر لا کر الاسماء کا علم دیا گیا۔ اس میں ایک بہت بڑی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ علم کا پہلا درجہ، حواس کے ذریعے حاصل ہوتا ہے، جس میں سمع و بصر کا ذکر آچکا ہے۔ لیکن اس سے آگے علم کا وہ درجہ ہے، جسے مدرکات سے تصورات متعین کرنے کا علم کہتے ہیں۔ یہ حصہ حیوانی نہیں بلکہ انسانی سطحِ زندگی پر حاصل ہوسکتا ہے۔ یہی تصوری علم کی ہی وضاحت قرآن میں علمُ الاسماء کے نام سے بیان کی گئی ہے۔ اِسی کے حصول سے انسان حیوان سے علیحدہ مخلوق تصور کیا جاتا ہے۔

جبلی، لاشعوری اور غیر ارادی میکانکی انداز حیوانیت کی روش سے ہٹ کر اب جبلی، شعوری اور ارادی انسانی اعمال کی بات کرتے ہیں، لہٰذا وقت آگیا ہے کہ اب ہم حیوان اور انسان کا بطور عاقل حیوان کے فرق کا تجزیہ کرسکیں۔ ڈاکٹر رفیع الدین نے میکڈوگل کے اس خیال پر کہ انسان کی ساری فطرت اس کی حیوانی جبلتوں پر مشتمل ہے یا اس کے اعمال کا ماخذ یا منبع اس کی حیوانی جبلتیں ہیں، نہایت موثر تنقید کی ہے۔ اِس سے انسان کے اندر حیوانی اور انسانی رویوں کا فرق بھی سامنے آجاتا ہے۔ اور انسان کے حیوان سے ارتقاء پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

انسان کے اندر حیوانی اور انسانی رویوں کا فرق:

1۔ حیوان صرف جانتا، سوچتا اور محسوس کرتا ہے۔

انسان جب سوچتا، جانتا اور محسوس کرتا ہے تو جانتا بھی ہے کہ وہ سوچتا، جانتا اور محسوس کرتا ہے۔

یا حیوان کا شعور اپنے آپ سے آگاہ نہیں، لیکن انسان کا شعور اپنے آپ سے آگاہ ہے۔

دوسرے الفاظ میں ہم اس حقیقت کا اظہار اس طرح سے کرتے ہیں۔ کہ حیوان فقط شعور کا مالک ہے لیکن انسان خود شعوری سے بہرہ ور ہے۔

2۔ حیوان اپنی جبلتوں کی مخالفت نہیں کرسکتا۔ ان کے طبیعی مطالبہ کو روک نہیں سکتا۔ اور ان کو اپنے اختیار وارادہ سے تشنہ یا غیر مطمئن نہیں رکھ سکتا۔

انسان اپنی جبلتوں کی مخالفت کرسکتا ہے۔ ان کے طبیعی مطالبہ کو روک سکتا ہے اور اپنے اختیار وارادہ سے ان کو تشنہ اور غیر مطمئن رکھ سکتا ہے۔

3۔ حیوان اپنی کسی جبلت کو اس کے طبیعی مطالبہ سے زیادہ مطمئن نہیں کرسکتا۔

انسان اپنی جبلتوں کو ان کی ضروریات اور طبیعی حدود سے زیادہ مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

حیوان جبلتوں کی لذت کے لیے اتنی ہی کشش رکھتا ہے جتنی کہ ان کی طبیعی فعلیت (Natural activity) کے ساتھ وابستہ کی گئی ہے لیکن انسان کی یہ کشش حد سے زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

4۔ انسان محض آدرشوں (Ideas) کی خاطر یعنی ان کی کشش اور محبت سے مجبور ہو کر آدرشوں کی طلب اور جستجو کرتا ہے اور ان کے لیے جبلی تقاضوں کو قربان کرتا ہے۔

حیوان کے اندر کوئی آدرش جیسا جذبۂ عمل موجود نہیں۔

5۔ انسان علم کی خاطر علم کی جستجو کرتا ہے۔

حیوان کے اندر بے شک ایک ذوقِ دریافت (Curiosity) موجود ہے لیکن یہ ذوق اس کی جبلتوں کی خدمت اور اعانت کے لیے اپنی تشفی چاہتا ہے۔

انسان کے اندر صداقت یا علم کی تلاش خود صداقت یا علم کی غرض کے علاوہ کسی اور جبلتوں وغیرہ کی غرض کے لیے نہیں ہوتی۔

6۔ انسان، حیوان کے برعکس اخلاقی اقدار کو ان اقدار ہی کے لیے چاہتا ہے اور ان کے حصول کی کوشش میں وہ اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ اس کے تقاضے ٹھیک طرح سے مطمئن ہو گئے ہیں یا نہیں۔

7۔انسان حسن کو حسن کے لیے آزادانہ طور پر طلب کرتا ہے اور اپنے کاموں میں حسن کا اظہار کرتا ہے جبکہ حیوان ایسا محض جبلت کے طور پر کرسکتا ہے۔

8۔انسان کے عواطف (Emotions) حیوان کے عواطف کی نسبت بہت زیادہ متنوع ہیں۔

9۔صوفیاء اور عبّاد کو ایک ایسا روحانی تجربہ (Mystic Experience) حاصل ہوتا ہے۔جس میں ان کی مسرت یا خوشی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔کسی جبلت کی تشفی اس قسم کی مسرت یا خوشی پیدا نہیں کرتی۔لہٰذا حیوان اس مسرت سے قطعاً بے نصیب ہیں۔انسان اور حیوان کی درج بالا تمیز سے، برگسان کی یہ وضاحت مزید تقویت حاصل کرلیتی ہے کہ حیوان اور انسان میں باہمی فرق نہ تو درجات کا ہے اور نہ ہی شدت کا۔ان میں نوعی فرق ہے۔''یعنی ایں چیزے دیگر است''۔

بنیادی طور پر انسان غور وفکر سے اپنے ارادے پر اختیار رکھتے ہوئے اعمال تخلیق کرتا ہے۔تخلیق اس لیے کہ ایسے عقل کی رو سے سرزد تمام اعمال انسان سے منسوب ہوتے ہیں۔یہ اُسی کے انتخاب کا حصہ ہوتے ہیں اور انہی اعمال کی جزا کا وہ ذمہ دار ہوتا ہے۔

اس کے برعکس حیوان میں نہ تو غور وفکر کی صلاحیت ہوتی ہے اور نہ ہی وہ اپنے اختیار سے انتخاب کی صلاحیت رکھتا ہے۔اس لیے وہ جبلی تقاضوں سے مجبور محض ہونے کے ناطے سے ذمہ دار نہیں کہلاتا۔

لہٰذا یہی حقیقت ہے کہ اگر جذبات اور عقل کو وحی خداوندی (جواب مکمل شکل میں قران میں آخری پیغام کے طور پر محفوظ ہے) کی روشنی میں استعمال کیا جائے تو انسان ذات کی نشوونما کی علمی حقیقت تک رسائی حاصل کرسکتا ہے۔اسے مختصر الفاظ میں یوں سمجھیے کہ:

1۔عقل انسانی کی قیمت ایک ''قوت'' ہے جس طرح اس قوت کا استعمال کیا جائے، اسی نسبت سے اس کے نتائج مرتب ہوں گے۔

2۔جب عقل انسانی (جذبات سے الگ ہوکر) خارجی کائنات کے رموز واسرار کی تحقیق وتفتیش کرتی ہے تو وہ اپنے تجرباتی طریق سے صحیح نتیجہ تک پہنچ جاتی ہے۔

3۔لیکن انسان کے باہمی معاملات میں یہ عقل جب جذبات کے تابع چلتی ہے یعنی جب اس قوت کو انسان کے جذبات استعمال کرنے لگ جاتے ہیں تو دنیا میں عقول کی جنگ شروع ہوجاتی ہے۔جس کا نتیجہ فساد فی الارض کی شکل میں سامنے آتا ہے۔

4۔جذبات، انسانی عمل کے محرک ہوتے ہیں، اس لیے یہ بھی انسان کی بڑی متاع اور عظیم قوت ہیں، لیکن یہ قوت اس صورت میں تعمیری نتائج پیدا کرسکتی ہے جب اسے عقل پر غالب نہ آنے دیا جائے۔

5۔اس کا طریقہ یہ ہے کہ عقل کو ان مستقل اقدار کا محافظ بنا دیا جائے جو انسان کو وحی کی روشنی میں عقل وفکر کی رو سے ملتی ہیں۔جب انسان جذبات سے الگ ہوکر علم وبصیرت کی رو سے غور وفکر کرے تو ان اقدار کی اہمیت ابھر کر سامنے آجاتی ہے

اور یوں اس کی عقل ان کی حفاظت اور نگہداشت کو اپنا فریضہ قرار دیتی ہے۔ عقل انسانی کا اس طرح مستقل اقدار کی اہمیت کا قائل ہوجانا، ایمان کہلاتا ہے۔

6۔ یوں انسان کے جذبات اور اس کی عقل (دونوں عظیم قوتیں) ایمان کے معین کردہ نصب العین کے حصول کا ذریعہ بن جاتے ہیں اور اس طرح فطرت کی قوتیں انسانیت کی تباہی کی بجائے ان کی تعمیر اور تہذیب کا موجب بنتی چلی جاتی ہیں۔

انسانی مادی مرئی جسم کے ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے غیر مرئی انسانی ذات تک کا سفر اس کی درجِ ذیل دو خصوصیات کی صلاحیتوں کے حامل ہونے کی بِنا پر وجود پذیر ہوکر سامنے آتی ہیں۔

1۔ علم کی صلاحیت سے ودیعت ہونا۔

2۔ آزادیِ ارادہ سے انتخاب کرنے کی صلاحیت رکھنا۔

اِس باب میں ہم علم کی صلاحیت اور اگلے باب میں آزادیِ ارادہ کی صِفت سے ودیعت ہونے پر بات کریں گے۔

یہ وضاحت ضروری ہے کہ علم کی جامع و مانع مختصر اور وہ بھی متفقہ تعریف بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔

علم کی لغوی تعریف:

عربی زبان میں العلم کسی چیز کی حقیقت کا ادراک کرنا ہے اور یہ دو قسم کی ہوتی ہیں۔

اول: کسی چیز کی ذات کا ادراک کرنا۔

دوم: ایک چیز پر کسی صفت کے ساتھ حکم لگانا (جو فی الواقع) اس کے لیے ثابت ہو یا ایک چیز کی دوسری چیز سے نفی کرنا جو (فی الواقع) اس سے منفی ہو۔

ایک دوسری حیثیت سے بھی علم کی دو قسمیں ہیں۔

1۔ فطری: وہ جو حاصل ہونے کے ساتھ ہی مکمل ہوجائے جیسے وہ علم جس کا تعلق موجودات عالم سے ہے۔

2۔ عملی: وہ جو عمل کے بغیر تکمیل نہ پائے

العلم ایسا نشان جس سے کوئی شے پہچانی جاسکے۔ علم کے معنی کسی چیز کو کما حقہ جاننا، پہچاننا، حقیقت کا ادراک کرنا۔ یقین حاصل کرنا۔ محسوس کرنا، محکم طور پر معلوم کرنا ہے۔ اس مادہ کے بنیادی معنی ایسے نشان کے ہیں جس سے وہ شے دیگر اشیاء سے متمیّز ہوسکے۔

عربوں کے نزدیک علم کا درجہ معرفت اور شعور سے زیادہ بلند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اللہ کے لیے علم کا لفظ استعمال کرتے ہیں، معرفت یا شعور کا نہیں۔ چنانچہ خدا کو عالم یا علیم کہہ سکتے ہیں، عارف (معرفت رکھنے والا) یا شاعر (شعور رکھنے والا) نہیں کہہ سکتے۔ علم اور معرفت میں عربوں کے نزدیک، ایک فرق یہ بھی ہے کہ معرفت کسی چیز کے آثار و قرائن میں غور و فکر کرکے اس کا ادراک کرنے کو کہتے ہیں لیکن علم کے لیے یہ ضروری نہیں۔ ثانیاً معرفت کا لفظ بیشتر اس موقع پر استعمال ہوتا ہے

جب کوئی چیز ادراک کے بعد دھیان سے نکل جائے اور پھر دوبارہ اس کا ادراک ہو۔ لیکن علم میں یہ صورت نہیں ہوتی۔

قرآن سے ہمیں وحی بطور ذریعہِ علم کا نظریہ بھی حاصل ہوتا ہے۔ جو ہمیں قرآن کی دَفتین میں محفوظ شکل میں دستیاب ہے۔

وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ (13:37)

''اور اتارا ہم نے یہ کلام حکم عربی زبان میں اور اگر تو چلے اُن کی خواہش کے موافق بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچ چکا ہے کوئی نہیں تیرا حمایتی اللہ کے سوا اور نہ بچانے والا۔''

علم کی لغوی تعریف:

علم کا لغوی مفہوم عربی زبان میں تلاش کرتے ہیں۔ العلم کسی چیز کی حقیقت کا ادراک کرنا ہے اور یہ دو قسم کی ہوتی ہیں۔ اوّل کسی چیز کی ذات کا ادراک کرنا۔ دوم ایک چیز پر کسی صفت کے ساتھ حکم لگانا (جو فی الواقع) اس کے لیے ثابت ہو یا ایک چیز کی دوسری چیز سے نفی کرنا جو (فی الواقع) اس سے منفی ہو۔ ایک دوسری حیثیت سے بھی علم کی دو قسمیں ہیں۔

1۔ فطری: وہ جو حاصل ہونے کے ساتھ ہی مکمل ہو جائے جیسے وہ علم جس کا تعلق موجودات عالم سے ہے۔

2۔ عملی: وہ جو عمل کے بغیر تکمیل نہ پائے۔

العلم ایسا نشان جس سے کوئی شے پہچانی جا سکے۔ علم کے معنی کسی چیز کو کما حقہ جاننا، پہچاننا، حقیقت کا ادراک کرنا۔ یقین حاصل کرنا۔ محسوس کرنا، محکم طور پر معلوم کرنا ہے۔ اس مادہ کے بنیادی معنی ایسے نشان کے ہیں جس سے وہ شے دیگر اشیاء سے متمیّز ہو سکے۔ عربوں کے نزدیک علم کا درجہ معرفت اور شعور سے زیادہ بلند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اللہ کے لیے علم کا لفظ استعمال کرتے ہیں، معرفت یا شعور کا نہیں۔ چنانچہ خدا کو عالم یا علیم کہہ سکتے ہیں، عارف (معرفت رکھنے والا) یا شاعر (شعور رکھنے والا) نہیں کہہ سکتے۔ علم اور معرفت میں عربوں کے نزدیک، ایک فرق یہ بھی ہے کہ معرفت کسی چیز کے آثار و قرائن میں غور و فکر کر کے اس کا ادراک کرنے کو کہتے ہیں لیکن علم کے لیے یہ ضروری نہیں۔ ثانیاً معرفت کا لفظ بیشتر اس موقع پر استعمال ہوتا ہے جب

کوئی چیز ادراک کے بعد دھیان سے نکل جائے اور پھر دوبارہ اس کا ادراک ہو۔ لیکن علم میں یہ صورت نہیں ہوتی۔

قرآن سے ہمیں وحی بطور ذریعہِ علم کا نظریہ حاصل ہوتا ہے۔ جو ہمیں قرآن کی دَفتین میں محفوظ شکل میں دستیاب ہے۔

وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ (13:37)

''اور اتارا ہم نے یہ کلام حکم عربی زبان میں اور اگر تو چلے اُن کی خواہش کے موافق بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچ چکا ہے کوئی نہیں تیرا حمایتی اللہ کے سوا اور نہ بچانے والا۔'' علم کے لغوی معنی میں تناظر سے متعلقہ نظریہِ علمیات کے موضوع کو زیرِ بحث لا کر وضاحت

کرنے کو بنیادی اہمیت دی جاتی ہے۔

نظریہ علمیات کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم:

راست حسی، ادراکی مواد شعور جو ارتسامات سے حاصل ہو۔ اور ان ارتسامات کی مدہم، سادہ اور مرکب نقول جو تصورات کہلاتے ہیں اور ان کے مابین اضافات۔ (ہیوم)

علم کا مواد تجربی اور اس کی شرائط قبل تجربی اور اس لحاظ سے کُلی ہیں۔ (کانٹ)

رسل کا موقف ہے کہ ہم طبیعی اشیاء مثلاً میز کرسی، دنیا کا مرکز ثقل وغیرہ سے کبھی متعارف نہیں ہوتے۔ یہ چیزیں ہمارے تجربات کی منطقی تشکیل ہیں اور ان کے بارے میں ہمارا علم بیانیہ ہوتا ہے تعارفی نہیں۔ تعارفی علم راست وجدانی ہوتا ہے جو صفات محسوسہ اور علائق تک محدود ہوتا ہے۔

عِلم کا حصول عقل سے ہوتا ہے اور عقل کے معنی ہیں:

''روکنے والی چیز، جس سے کسی چیز کو باندھ دیں''۔

عرب لوگ اونٹ کی اگلی ایک ٹانگ دوہری کر کے، اسے ران کے پاس سے باندھ دیتے تھے، جس کی وجہ سے اونٹ کہیں جانے سے رک جاتا تھا۔ جس رسّی سے ٹانگ کو، اس طرح باندھا جاتا تھا کہ اونٹ کہیں نہ جا سکے تو، اس کو یہ لوگ ''عقال'' کہتے ہیں۔ یہ لفظ عقل سے ہے۔ عرب سر پر کپڑا لے کر، سر کے اوپر ایک رسّہ سا لپیٹ لیتے ہیں۔ وہ سر پر لپیٹے ہوئے رسّے کو ''عقال'' کہتے ہیں، جو سر پر رکھے ہوئے کپڑے کو باندھ دیتا ہے کہ کہیں گر نہ جائے۔ لہٰذا جو چیز انسان کو غلط راستے سے روکتی تھی اس کا نام ''عقل'' ہے اور ''نھٰی'' بھی اس کا نام تھا۔ یہ جس کو نھٰی کہتے ہیں، اس کے معنی باندھ دینا اور روکنا تھا۔ عقل اور نھٰی دونوں کے معنی عقل ہیں۔

قرآن بھی انسانی اعمال میں نہی کے اِس تصور کی وضاحت کرتا ہے کہ

اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (9:112)

وہ دل کے پورے جھکاؤ کے ساتھ جن امور کو صحیح تسلیم کرتے ہیں، ان کو سرانجام دیتے ہیں اور ان باتوں سے منع کرتے ہیں جن کو وہ ناپسندیدہ قرار دیتے ہیں۔

حقیقت میں عقل کو شعور ہی کی ایک حتمی صلاحیت کے طور پر متعارف کرایا جا رہا ہے، لہٰذا عقل کی وضاحت میں شعور کا تجزیہ ضروری اور اہم ہو جاتا ہے۔

نظریہ شعور کا تجزیہ:

شعور ایک ڈیٹا بنک ہے جہاں لمحہ بہ لمحہ آنکھ، کان، ناک، زبان اور لمس کے ذریعے معلومات جمع ہوتی رہتی ہیں۔ بچپن

سے لیکر مرنے تک ہمارے اردگرد جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ حواس خمسہ کے ذریعے ہمارے شعور میں جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں بار بار انسان کو شعور سے کام لینے کی تاکید فرماتے ہیں۔

قرآن میں شعور کی تین صلاحیتیں بیان کی جاتی ہیں:

1۔قلب

2۔فواد

3۔عقل

1۔قلب:

شعور کی وہ صلاحیت ہے جو چیزوں کو منطقی طور پر جانچتی ہے۔ڈکشنری کے مطابق قلب کا بنیادی معنی الٹ پلٹ ہے، انقلاب بھی اسی سے ہے اور انقلاب میں سب کچھ الٹا پلٹا دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا (7:179)

ان لوگوں کے پاس قلب ہیں لیکن وہ اس سے تفقہ نہیں کرتے۔پس اس آیت کریمہ سے واضح ہوا کہ قلب تفقہ اور تدبر کرنے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

2۔فواد شعور کی وہ صلاحیت ہے جو جذبات Emotions پیدا کرتی ہے فواد کہلاتی ہے قرآن کریم میں فواد کا لفظ پانچ بار آیا ہے اور ہر بار اسی نسبت سے استعمال ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرماتے ہیں:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِۦ فُؤَادَكَ (11:120)

ہم رسولوں کے واقعات تجھ سے اس لیے بیان کرتے ہیں تاکہ ان سے تیرے دل کو مستحکم رکھیں۔

سورہ قصص میں فواد اور قلب دونوں استعمال ہوئے ہیں اس طرح دونوں کا فرق آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔

وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَٰرِغًا ۖ إِن كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِۦ لَوْلَآ أَن رَّبَطْنَا عَلَىٰ قَلْبِهَا لِتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (28:10)

اور موسیٰؑ کی ماں کا دل بے قرار ہو گیا قریب تھی کہ بے قراری ظاہر کر دے اگر ہم اس کے قلب کو مربوط نہ رکھتے تاکہ اسے ہمارے وعدے کا یقین رہے یہاں قرآن نے جب اُم موسیٰ کے جذبات کا ذکر کیا تو لفظ فواد استعمال کیا کیونکہ موسیٰؑ کی ماں پر جذبات طاری ہو گئے تھے جب اس نے اپنا بچہ دریا میں پھینک دیا لیکن اسے فوراً خیال آیا کہ اگر جذبات پر قابو نہ پایا تو فرعون کو ساری کہانی معلوم ہو جائے گی اور وہ بچے کو مار دے گا اس کا مطلب اس نے قلب سے کام لیا، منطقی طور پر سوچا

اور جذبات پر قابو پایا۔ اس لیے قرآن نے کہا کہ ہم نے اس کے قلب کو مربوط کیا۔

3۔ عقل بھی شعور ہی کی صلاحیت ہے۔ شعور میں موجود اطلاعات و معلومات کو بروئے کار لانا اور اسی کو بنیاد بنا کر معقول نتیجہ نکالنا عقل کا خاصہ ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ کسی ان پڑھ کو حساب کا سوال دیا جائے اور اسے کہا جائے کہ عقل استعمال کر کے اس کا جواب دے، یا کسی ڈاکٹر کو کہا جائے کہ عقل استعمال کر کے ایک پُل کا تخمینہ بنا دے، کیا وہ ایسا کر سکیں گے؟

ہرگز نہیں، اس لیے کہ ان کے شعور میں وہ معلومات ہی موجود نہیں جن کے متعلق سوال پوچھا جا رہا ہے، پھر عقل کیسے اس چیز کا احاطہ کر سکتی ہے جس کے بارے میں اسے معلومات نہیں؟ پس واضح ہوا کہ عقل کا استعمال اس وقت مفید ہوگا جب شعور میں اس چیز کے متعلق معلومات دستیاب ہونگی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ (29:43)

یہ مثالیں ہم لوگوں کیلئے بیان کرتے ہیں اور ان پر عقل وہی استعمال کرتے ہیں جو عالم ہیں۔

دوسری جگہ اِن عالمین کی تصدیق میں علامہ عنایت اللہ مشرقی کا اپنی زبان میں بیان کردہ واقعہ بھی بڑا اہم شمار کیا جاتا ہے کہ:

''1909ء کا ذکر ہے، اتوار کا دن تھا، اور زور کی بارش ہو رہی ہوتی، میں کسی کام سے باہر نکلا تو جامعہ کیمرج کے مشہور ماہر فلکیات سر جیمز جینس پر نظر پڑی جو بغل میں انجیل دبائے چرچ کی طرف جا رہے تھے، میں نے قریب ہو کر سلام کیا، انہوں نے کوئی جواب نہ دیا، دوبارہ کیا تو وہ متوجہ ہوئے اور کہنے لگے، تم کیا چاہتے ہو، میں نے کہا، دو باتیں، اول یہ کہ زور سے بارش ہو رہی ہے اور آپ نے چھاتا بغل میں داب رکھا ہے، سر جیمز اپنی بدحواسی پر مسکرائے اور چھاتا تان لیا۔

دوم یہ کہ آپ جیسا شہرہ آفاق آدمی گرجا میں عبادت کے لیے جا رہا ہے، یہ کیا؟

میرے اس سوال پر پروفیسر جیمز لمحہ بھر کے لیے رک گئے اور پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا'' آج شام کو چائے میرے ساتھ پیو'' چنانچہ میں شام کو ان کی رہائش گاہ'' پہنچا، ٹھیک 4 بجے لیڈی جیمز باہر آ کر کہنے لگیں'' سر جیمز تمہارے منتظر ہیں'' اندر گیا تو ایک چھوٹی سی میز پر چائے لگی ہوئی تھی، جامعہ کیمرج کے مشہور ماہر فلکیات سر جیمز جینس تصورات میں کھوئے ہوئے تھے، اور میرے جواب کا انتظار کئے بغیر اجرام آسمانی کی تخلیق، ان کے حیرت انگیز نظام، بے انتہا پنہائیوں اور فاصلوں، ان کی پیچیدہ راہوں اور مداروں، نیز باہمی کشش اور طوفان ہائے نور پر ایمان افروز تفصیلات پیش کیں کہ میرا دل اللہ کی اس داستان کبریائی و جبروت پر دہلنے لگا، اور ان کی اپنی کیفیت یہ تھی کہ سر کے بال سیدھے اُٹھے ہوئے تھے، آنکھوں سے حیرت و خشیت کی دوگونہ کیفیتیں عیاں تھیں، اللہ کی حکمت و دانش کی ہیبت سے ان کے ہاتھ قدرے کانپ رہے

تھے، اور آواز لرز رہی تھی، فرمانے لگے'' عنائت اللہ خان! جب میں خدا کے تخلیقی کارناموں پر نظر ڈالتا ہوں تو میری تمام ہستی اللہ کے جلال سے لرزنے لگتی ہے، اور جب کلیسا میں خدا کے سامنے سرنگوں ہو کر کہتا ہوں، تو بہت بڑا ہے، تو میری ہستی کا ہر ذرہ میرا ہم نوا بن جاتا ہے، مجھے بے حد سکون اور خوشی نصیب ہوتی ہے، مجھے دوسروں کی نسبت عبادت میں ہزار گنا زیادہ کیف ملتا ہے، کہو عنائت اللہ خاں! تمہاری سمجھ میں آیا کہ میں گرجے کیوں جاتا ہوں۔''

علامہ مشرقی کہتے ہیں کہ پروفیسر جیمز کی اس تقریر نے میرے دماغ میں عجیب کہرام پیدا کر دیا، میں نے کہا'' جناب والا! میں آپ کی روح افروز تفصیلات سے بے حد متاثر ہوا ہوں، اس سلسلے میں قرآن کی ایک آیت یاد آ گئی، اگر اجازت ہو تو پیش کروں، فرمایا'' ضرور'' چنانچہ میں نے یہ آیت پڑھی:

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ (35:27-28)

اور پہاڑوں میں سفید اور سرخ مختلف رنگوں کے ٹکڑے ہیں اور گہرے سیاہ بھی اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی مختلف رنگ کے ہیں۔ اللہ سے اس کے بندوں میں سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔ یہ آیت سنتے ہی پروفیسر جیمز بولے:

'' کیا کہا؟ اللہ سے صرف اہل علم ڈرتے ہیں، حیرت انگیز، بہت عجیب، یہ بات جو مجھے پچاس برس مسلسل مطالعہ و مشاہدہ کے بعد معلوم ہوئی، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کس نے بتائی، کیا قرآن میں واقعی یہ آیت موجود ہے، اگر ہے تو میری شہادت لکھ لو کہ قرآن ایک الہامی کتاب ہے، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) انپڑھ تھے، انہیں یہ عظیم حقیقت خود بخود معلوم نہیں ہو سکتی، انہیں یقیناً اللہ نے بتائی تھی، بہت خوب، بہت عجیب!''

ہمیں یہاں یہ ذہن میں رکھنا ہوگا کہ انسان کی حیوانی زندگی تک کے ارتقاء کے مقام پر عقل پر جبلی تقاضوں کا غلبہ ہوتا ہے اور اُس کی عقلِ خود بین کا فریضہ تحفظِ خویش کے لئے اُٹھائے گئے ہر جائز اور ناجائز اقدام کے حق کے جواز تراشنے کے دائرہ کے گرد ہی گھومتا ہے۔

قرآن میں علم کا تعارف اور اہمیت:

دوبارہ کہتے ہیں کہ علم کی خصوصیت کی حقیقت کے اظہار کے لئے آدم کی خصوصیت کا قرآن نے ذکر کیا ہے:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (2:31)

''اور اس نے آدم کو علم الاشیاء عطا کر دیا۔''

یہاں آدم کو حیوان سے ممتاز کرنے کی اس صفت کا ذکر کیا گیا ہے، یعنی یہ کہ آدم کو عاقل حیوان کے مقام پر لا کر الاسماء

کا علم دیا گیا۔ اس میں ایک بہت بڑی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ علم کا پہلا درجہ، حواس کے ذریعے حاصل ہوتا ہے، جس میں سمع و بصر کا ذکر آچکا ہے۔ لیکن اس سے آگے علم کا وہ درجہ ہے، جسے مدرکات سے تصورات متعین کرنے کا علم کہتے ہیں۔ یہ حصہ حیوانی نہیں بلکہ انسانی سطحِ زندگی پر حاصل ہوسکتا ہے۔ اِسی تصوری عِلم کی قرآن میں عِلمُ الاسماء کے نام سے بیان کی گئی ہے۔

اِس ضِمن میں قرآن نے عِلم کے حصول کے ذرائع کی بھی تصریح کردی کہ:

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ (32:9)

''اور اس نے تمہارے لیے سمع، بصر اور فؤاد (کو ذرائعِ علم) بنایا۔''

کہنے کو تو درج بالا تین لفظ ہیں، لیکن شرف انسانیت کی پوری کی پوری دنیا ان تین علمی گوشوں میں سمٹ آئی ہے۔ سمع و بصر انسانی حواس کے نمائندے ہیں جو خارجی دنیا کی معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔ یہ معلومات انسانی قلب یا فواد تک پہنچتی ہیں اور اس سے انسان اس قابل ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے لیے کچھ فیصلہ کرے۔ اس کے اس طرح فیصلے کرنے کی صلاحیت کو خدائی توانائی کی بدولت اس کا اختیار و ارادہ کہتے ہیں۔ یہ ہے وہ سب سے بڑا امتیاز جو انسان کو حیوانی زندگی سے الگ کرتا ہے۔

قرآن نے نہ صرف انسان کی حیوانی زندگی سے الگ انسانی ذات کی نشوونما کے لیے اقدار کا علم عطا کیا ہے بلکہ اقدارِ علم کی حکمت بیان کرکے اُس کی طرف راہنمائی بھی کی ہے۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۲۶۹ (2:269)

''عنایت کرتا ہے (اللہ) جس کسی کو چاہے اور جس کو حکمت ملی اس کو خیر کثیر ملا اور (حکمت سے) نصیحت وہی قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔''

اس آیت میں واضح طور پر بتا دیا ہے کہ حکمت خیر کثیر ہے۔ لیکن اس سے فائدہ عقل والے حاصل کر سکتے ہیں۔ عقل والے سے یہاں مراد ان لوگوں سے ہے، جو عقل سے کام لیتے ہیں، ورنہ صلاحیت تو سب لوگوں میں موجود ہوتی ہے۔ ارسطو کی زبان میں یہاں عقل فعال یعنی عقل بالفعل مراد ہے نہ کہ عقل بالقوہ یعنی عقل بالاستعداد۔ غرض و غایت اور علت و مقصود کے اعتبار سے، حکمت کے معنی دلیل و حجت اور دانائی کے ملکہ کا حصول بھی ہیں۔ یہ ملکہ ہر انسان کے اندر ہوتا ہے۔ اسی اعتبار سے انسان کو عاقل حیوان کہا جاتا ہے۔ حکمت (Reason) خاصہ آدمیت ہے۔ یہ ملکہ علم و فکر سے پختگی حاصل کرتا چلا جاتا ہے۔ قرآن چاہتا یہ ہے کہ ہم جو کام کریں، عقل و فکر کی رو سے، سمجھ سوچ کر کریں۔ قرآن ہی سے راہنمائی ملتی ہے کہ:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (16:125)

''دعوت دے (لوگوں کو) رب کی راہ پر حکمت کے ساتھ اور حسن کارانہ انداز سے۔''

حاصلِ مبحث:

اب تک ہم نے دیکھا ہے کہ قران کے مطالعے کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ اگر جذبات اور عقلِ خود بیں کو عقلِ جہاں بیں یعنی وحی خداوندی (جو، اب مکمل شکل میں قرآن میں آخری پیغام کے طور پر محفوظ ہے) کی روشنی میں استعمال کیا جائے تو انسانی ذات کی نشوونما کی علمی حقیقت تک رسائی کا حصول ممکن ہے۔

اِسے مختصر الفاظ میں یوں سمجھیے کہ:

1۔عقل انسانی کی قیمت ایک ''قوت'' ہے جس طرح اس قوت کا استعمال کیا جائے، اسی نسبت سے اس کے نتائج مرتب ہوں گے۔

2۔جب عقل انسانی (جذبات سے الگ ہوکر) خارجی کائنات کے رموز واسرار کی تحقیق وتفتیش کرتی ہے تو وہ اپنے تجرباتی طریق سے صحیح نتیجہ تک پہنچ جاتی ہے۔

3۔لیکن انسان کے باہمی معاملات میں یہ عقل جب جذبات کے تابع چلتی ہے یعنی جب اس قوت کو انسان کے جذبات استعمال کرنے لگ جاتے ہیں تو دنیا میں عقلِ خود بیں کی جنگ شروع ہوجاتی ہے۔جس کا نتیجہ فساد فی الارض کی شکل میں سامنے آتا ہے۔

4۔جذبات، انسانی عمل کے محرک ہوتے ہیں، اس لیے یہ بھی انسان کی بڑی متاع اور عظیم قوت ہیں، لیکن یہ قوت اس صورت میں تعمیری نتائج پیدا کرسکتی ہے جب اسے عقل پر غالب نہ آنے دیا جائے۔

5۔اس کا طریقہ یہ ہے کہ عقل کو ان مستقل اقدار کا محافظ یعنی عقلِ جہاں بیں بنا دیا جائے جو انسان کو وحی کی روشنی میں عقل وفکر کی رو سے ملتی ہیں۔جب انسان جذبات سے الگ ہوکر علم وبصیرت کی رو سے غور وفکر کرے تو ان اقدار کی اہمیت ابھر کر سامنے آجاتی ہے اور یوں اس کی عقل ان کی حفاظت اور نگہداشت کو اپنا فریضہ قرار دیتی ہے۔عقل انسانی کا اس طرح مستقل اقدار کی اہمیت کا قائل ہوجانا، ایمان کہلاتا ہے۔

6۔یوں انسان کے جذبات اور اس کی عقل (دونوں عظیم قوتیں) ایمان کے معین کردہ نصب العین کے حصول کا ذریعہ بن جاتے ہیں اور اس طرح فطرت کی قوتیں انسانیت کی تباہی کی بجائے ان کی تعمیر اور تہذیب کا موجب بنتی چلی جاتی ہیں۔

عِلم کے حصول کے لئے حکماء اور عصرِ حاضر میں خصوصی طور پر حکمائے مغرب نے بہت تحقیق کی ہے اِس کی پوری تفصیلات بتانے میں تو علیحدہ کتاب کی ضرورت ہوگی، لہٰذا ہم ضروری اور بنیادی نظریات بیان کرنے پر اکتفا کررہے ہیں۔

انسان کو ودیعت کردہ عقلی علم اپنی وضاحت اور پہچان کے لئے سند کے ساتھ دلیل مانگتا ہے ورنہ اِس کے بغیر عِلم

نامکمل رہتا ہے، لہٰذا عقلی علمِ کو علمِ استدلال کا نام دیا جاتا ہے۔ اس علم کے حصول کے لئے بنیادی طور پر دو نظریات پائے جاتے ہیں، جن کو مزید ذیلی تصورات میں بھی تقسیم کیا جاتا ہے۔

1۔ نظریہ تجربیت، 2۔ نظریہ تصورات

1۔ نظریہ تجربیت:

تجربیت کا اصطلاحی مفہوم فلسفہ کی زبان میں یوں درج ہے۔

عقلیت/تصوریت کی ضد۔ علمیاتی نظریہ جس کے مطابق تصورات، مشاہدہ اور محسوسات کی تجرید پر مبنی ہیں۔ تجربہ علم کا واحد ذریعہ یا مبداء ہے۔ جو کچھ ہم جانتے ہیں، اپنی انتہا میں معطیاتِ حس میں تحویل پذیر ہے۔

پرویز صاحب کی آخری اپیل

آخر میں، میں اپنی اُس مخلصانہ اپیل کو ایک بار پھر دہراؤں گا، جسے میں ہر سال آپ کی خدمت میں پیش کیا کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ:

1۔ اپنے ذہن میں کسی غیر قُرآنی تصور و خیال کو جاگزیں نہ ہونے دو۔

2۔ اپنے قول سے ہی نہیں بلکہ اپنے عمل سے بھی ثابت کرو کہ قُرآن کی تعلیم انسان کو کس بلند مقام پر لے جاتی ہے۔

3۔ قُرآنی فکری نشر و اشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دو۔ لیکن جو کچھ کرو خالصتہً بوجہ اللہ کرو۔ اس میں کسی ذاتی مفاد یا جذبہ کو دخل انداز نہ ہونے دو۔

4۔ آپ سے کسی قسم کی کوئی حرکت ایسی سرزد نہ ہونے پائے جس میں فرقہ پرستی یا پارٹی بازی کا شائبہ تک بھی پایا جائے۔ اپنے دامن کو ان خاردار جھاڑیوں سے قطعاً نہ الجھنے دو۔

5۔ اپنے وقت اور توانائی کو، ضدی طبقے کے ساتھ بحث و تمحیص میں ضائع نہ کرو۔ قُرآنی تعلیم کو صرف اُن لوگوں کے سامنے پیش کرو جو علم و بصیرت سے سمجھنے اور سنجیدگی سے اس پر غور کرنے کے لئے تیار ہوں۔

6۔ ہر رات سونے سے پہلے یہ سوچو کہ آپ نے۔

(i) دن بھر میں قُرآنی احکام و تعلیم کے خلاف تو کوئی کام نہیں کیا۔ اور

(ii) آپ نے کسی دُکھی انسان کو سکھ پہنچانے کے لئے کیا کیا ہے۔ یاد رکھئے! انسانیت کی بے لوث خدمت، بلند ترین مقصد زندگی ہے۔

7۔ اور آپس میں محبت اور پیار اور مُودّت و الفت کے ساتھ رہو، کہ دنیا میں قُرآنی رشتے سے زیادہ پاکیزہ اور گہرا رشتہ اور کوئی نہیں۔

اللہ آپ کو خوش و خرم رکھے اور آپ کے عزائم کو کامیابی عطا فرمائے۔ (والسلام!)

پرویزؔ

(''منزل بہ منزل''، صفحہ: 181)

mankind may lead their lives as guided by this light (6:123).

15. It ordains mankind to think, ponder and do research (47:24).
16. It is easy to get guidance/advice from the *Qur'an*. (54:16) but at the same time it is necessary that the one seeking guidance should keep his mind clear and un-prejudiced (56:79).
17. It is *shirk* to inter-mingle human thoughts/ideas, concepts or beliefs with the contents of the *Qur'an* (42:21).
18. When a person falls prey to personality cult, he turns a deaf ear, closes his eyes and turns away from the Qur'anic guidance (17:46, 39:45, 40:12) so whenever some one presents Qur'anic concept, they even attack him (22:72) and tell other people not to listen to these verses and create noise so that they may prevail (41:26) not only they them-selves keep away from the *Qur'an* but also keep other people away (6:26).
19. There is nothing in the world equivalent to the *Qur'an* (6:94).
20. People wanted *Rasool-Allah* (peace be upon him) to make some changes in the *Qur'an*, but *Allah* told him to say to those people that he could not bring about any changes in the *Qur'an* out of his own liking. Instead he always followed only what was revealed to him. (10:15).
21. The rise of Muslims was based on their adhereence to the injunction of the *Qur'an* (43:43) but when they turned away from its teachings, they fell into degradation. This would be the allegation which *Rasool-Allah* (peace be upon him) would levy against his people before *Allah* (25:30).
22. *Allah*, the Almighty, has taken upon Himself the responsibility of keeping it preserved in all aspects of safety (15:9).

☆☆☆

(اشاعت کے لئے محترم ڈاکٹر انعام الحق نے تعاون کیا ہے۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

BLISHED SINCE 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL AND QUAID-E-AZAM

L.NO. 28
VOL. 70
ISSUE
12

Monthly

TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546, 042-35753666
E-mail:idarati@gmail.com
Web:www.toluislam.com www.facebook.com/talueislam/





